مکمل ناول

سابق وفاقی وزیر کے بھتیجے اور ایم این اے سید مصطفیٰ ہاشمی کے بیٹے سمیت بااثر گھرانوں کے چشم و چراغ کی نائٹ کلب میں فائرنگ!
کلب کی انتظامیہ نے بروقت کارروائی کرتے ہوئے لڑکی کے اغوا کی کوشش ناکام بنا کر ملزم گرفتار کروا دیے معاملے کو دبانے کے لیے ملزمان کے اہل خانہ کے اعلیٰ حکام سے رابطے۔"
ہیڈ لائن پڑھ کر سید مصطفیٰ ہاشمی نے اخبار اپنی مٹھی میں بھینچ لیا۔
"تمہارا چہیتا کسی دن پاگل کردے گا مجھے، تنگ آگیا ہوں میں اس کی ان حرکتوں سے پتہ نہیں تمہارا لاڈلا میرے کس گناہ کی سزا ثابت ہوا ہے۔" وہ ایک ہاتھ

پی آر کس دن کام آئے گی؟"
"تمہارے کہنے سے پہلے ہی میں نے سفیان آفاقی سے رابطے کی کوشش کی تھی مگر ابھی وہ آفس نہیں پہنچا دوبارہ نمبر ملاتا ہوں شاید مل جائے....." مصطفیٰ ہاشمی نے ایک بار پھر موبائل سے رابطہ کیا.... تو اس بار انہیں انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔
"ہیلو آفاقی صاحب! کیسے مزاج ہیں جناب کے؟
ارے صاحب یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جنہیں انسان بھول جائے اور آپ کوئی بھولنے والی چیز تو ہیں نہیں ہاہاہا۔
باتیں آپ خوب کرتے ہیں کسی دن ہمیں بھی میزبانی کا موقع دیں یادگار بنا دیں گے ان لمحوں کو۔

ذرِ ثمن

سب چہرے گلاب ہوئے

کمر کے پیچھے جمائے اور دوسرے ہاتھ میں موبائل لیے بے چینی سے ٹہل رہے تھے چہرے پہ تفکر کی پرچھائیاں نمایاں ہو رہی تھیں۔
"یہ مت بھولیں کہ میرا چہیتا اور لاڈلا آپ کا بھی کچھ لگتا ہے۔" نگہت بیگم کا جلا کٹا انداز ان کے غصے میں مزید تیزی لے آیا۔
"یہی تو پرابلم ہے کہ وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔"
"مصطفیٰ یہ وقت اس فضول بحث کا نہیں ہے آپ نے آئی جی سے بات کی یا نہیں؟"
"کیا بات کروں میں آئی جی سے، جانتی ہو کہ وہ کتنا اکھڑ شخص ہے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔"
"تو آپ ہوم سیکرٹری سے بات کریں آخر آپ کی

ارے نہیں جناب آپ کے لیے تو فرصت ہی فرصت ہے کبھی چلیے ناں ہمارے ساتھ فارم ہاؤس پر بھائی صاحب نے آسٹریلیا سے گھوڑے منگوائے ہیں آپ کو صرف اپنی پسند بتانا ہے کمال کرتے ہیں آپ بھی آفاقی آپ جب چاہیں آجائیں میں حاضر ہوں۔
نہیں کام تو کچھ خاص نہیں تھا مگر آپ کے حکم کے بغیر ہو بھی نہیں سکتا آپ تو جانتے ہیں: آج کل کے بچوں کو شغل میلے میں چھوٹی موٹی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اب پریس والوں کو ہی دیکھ لیں چھوٹی سی بات کا کتنا بڑا ایشو بنا دیا ہے۔ ہاں میں اسی سلسلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا تیمور رات سے لاکپ میں بند ہے اور آپ کی بھابھی نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے۔ میں جانتا

ہوں آفاقی صاحب لڑکی کے اغوا کا معاملہ تھا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں تیمور کا اس اغوا سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر آپ مہربانی کردیں تو....."
اگلے ہی لمحے سید مصطفیٰ ہاشمی کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔
"بہت شکریہ جناب کسی دن ہمارے غریب خانے کو بھی رونق بخشیں۔ ہاہاہا۔"
ایک بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے انہوں نے رخ موڑ لیا۔
"بھئی آپ ملیں تو سہی مل بیٹھ کر کوئی پروگرام طے کرلیں گے او کے آفاقی صاحب تیمور کے آتے ہی میں آپ سے دوبارہ کونٹیکٹ کروں گا۔" موبائل آف

کرنے کے بعد وہ پلٹے تو نگہت بیگم انہی کی منتظر تھیں۔

"کیا کہا ہوم سیکرٹری نے؟"

"کہا کیا ہے؟ آجائے گا شام تک تمہارا لاڈلا کیسے کیسے فضول لوگوں کی خوشامد کرنا پڑتی ہے مجھے، کچھ احساس نہیں ہے تم ماں بیٹے کو گھر میں بیٹھے بٹھائے سب کچھ جھولی میں آگرتا ہے اسی لیے یہ بے نیازی ہے۔"

مصطفیٰ ہاشمی موبائل ٹیبل پہ پھینکنے کے بعد صوفے پہ آبیٹھے جیسے برسوں کی تھکن سے نڈھال ہو رہے ہوں۔

"مصطفیٰ پلیز کول ڈاؤن جو ہونا تھا وہ ہو چکا بلاوجہ غصہ کریں گے تو بی پی شوٹ کر جائے گا۔" نگہت بیگم نے رسان سے ان کا شانہ تھپکا۔

"مجھے تو لگتا ہے تیمور کی حرکتیں مجھے خود کو شوٹ کرنے پہ مجبور کردیں گی۔"

"ریلیکس مصطفیٰ اتنا غصہ ٹھیک نہیں ہے میں آپ کے لیے سوفٹ ڈرنک منگواتی ہوں۔" نگہت بیگم دھیمے لہجے میں انہیں تسلی دے کر اٹھ گئیں اور مصطفیٰ ہاشمی نے اپنا سر صوفے کی پشت پہ گرادیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ایمان میری بچی دیکھ دن چڑھ رہا ہے اب اٹھ جا اور نماز پڑھ لے۔"

اس نے کسمسا کر کمبل اوڑھنا چاہا لیکن رانی بی نے ایک جھٹکے سے کمبل کھینچ لیا۔

"دن چڑھے تک سوئی ہوئی لڑکیاں بھلا اچھی لگتی ہیں۔"

"بے جی ایک تو اس حویلی کا سسٹم میری سمجھ سے باہر ہے نیند چاہے پوری ہو نہ ہو مگر اٹھنا صبح پہلی اذان کے ساتھ ہے۔"

"نہ میری بچی ایسے نہیں کہتے صبح سویرے اٹھنا بھی عبادت میں شامل ہے پر میں بھی کیا کروں ہر روز تجھے جگانے کے لیے یہ بات دہراتی ہوں۔ لیکن تیری عقل بھی سمجھنے والی نہیں اب میرو کو ہی دیکھ لے ایک آواز دوں تو اٹھ کر بیٹھ جاتی ہے پر تجھے جگانا تو دنیا کا سب سے مشکل کام ہے اسی لیے کہتی ہوں سدھر جا اگلے گھر جائے گی تو مشکل ہوگی۔"

رانی بی نے اس کے بستر کی سلوٹیں درست کرتے ہوئے رسان سے کہا۔

"بے جی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ مجھے میرال کے ساتھ کمپیئر مت کیا کریں وہ قادر ہاشمی کی بیٹی ہے۔"

"نہ پتر اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا انسان منہ کے بل گر پڑتا ہے۔"

"بے جی اس میں غرور کیسا؟ میں نے تو صرف حقیقت بیان کی ہے۔۔۔" ایمان بال سمیٹ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی جبکہ رانی بی دھندلی آنکھوں کے ساتھ اس کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔۔۔ باپ کا کردار بدنامی کا طوق بن کر میرال کے گلے میں آپڑا تھا رانی بی ملول سی سوچتی ہوئی ہال کمرے میں آئیں تو وہ نماز سے فارغ ہو کر جاء نماز تہ کر رہی تھی۔

"سلام بے جی۔"

"وعلیکم اسلام دھیے میری تو آج کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے اچھو ڈیرے سے دودھ لے آئے تو نوری سے کہہ دینا وہ دودھ کاڑھ دے گی۔"

"کیا ہوا بے جی آپ کی طبیعت کو؟"

"نی دھیے ہونا کیا ہے یہ مرن جوگی سر کا درد تو میری جان ہی نہیں چھوڑتا۔"

"بے جی کیسے جان چھوڑے گا یہ مائیگرین کا درد جب آپ باقاعدگی سے میڈیسن ہی نہیں لیں گی۔" میرال نے شاکی لہجے میں سرزنش کی۔

"میرو دھیے سچ پوچھ تو میں شہری ڈاکٹر کی دی ہوئی وڈی وڈی (بڑی بڑی) گولیاں کھا کھا کر تنگ آگئی ہوں تیرے بابا صاحب سے کتنی بار کہا ہے کہ مجھے دریا والے بابے کے پاس لے جائیں شاید دم درود سے کچھ آرام آجائے پر ہر واری یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ میرے پاس ایسے فضول کاموں کے لیے وقت نہیں ہے اب بتاؤ بھلا یہ کوئی خدانخواستہ فضول کام ہے؟"

میرال ان کے لہجے پہ بے اختیار مسکرائی۔

"بے جی آپ بھی حد کرتی ہیں سارا گاؤں جانتا ہے [illegible] والے بابے کو کوئی علم نہیں ہے اس کے پاس [illegible] مانیں تو میڈیسن کھایا کریں بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"اللہ تیری زبان مبارک کرے تو کہتی ہے تو شہری ڈاکٹر کی دی گولیاں بھی آزمالوں گی۔"

انہوں نے میرال کو محبت سے بھینچ لیا تو اس کا دل [illegible]سے بھر گیا۔

"بے جی ماں کو تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ بھی آپ جیسی ہی ہوگی خالص محبت کے خمیر سے گندھی ہوئی۔"

"بس دھیے اس کی تو نہ ہی پوچھ سلطانہ کی قسمت میں سکھ تو تھا ہی نہیں قادر نے اسے کبھی خوشی کا ایک پل بھی نصیب نہیں ہونے دیا تھا جتنی دیر اس نے قادر کے ساتھ زندگی گزاری کلپتی ہی رہی پر قادر نے نشے اور جوئے کی لت نہ چھوڑی۔ تو ابھی ایک سال کی بھی نہیں تھی جب اس بدبخت نے سلطانہ جیسی پاکیزہ بیوی جوئے میں ہار دی مجھ جنم جلی کو تو کچھ خبر ہی نہ ہوئی اور اس نے خود کو نیلامی سے بچانے کے لیے خود کو آگ لگا کر ختم کرلیا۔ ہک ہا اس شیطان صفت شخص نے سلطانہ کو حرام موت مرنے پہ مجبور کردیا اس کی وصیت تھی کہ میری بیٹی کی پرورش میری ماں جائی کرے اپنی بہن کی موت کا غم تو ساری عمر میرے سینے میں دفن رہے گا قادر کو جیل ہوگئی تھی اور میں نے تجھے اپنے سینے سے لگایا تو خدا نے میری گود ہری کردی جب ایمان پیدا ہوئی تو جانتی ہے تو ایک سال کی تھی سارا دن اس سونی حویلی میں تیری پازیب کے گھنگھرو چھن چھن کیا کرتے تھے اور مجھے ایسا لگتا جیسے میری سونی زندگی میں خوشیوں کی جھنکار گونج اٹھی ہو میرو میں نے تجھے جنم نہیں دیا پر تو مجھے ایمان سے زیادہ پیاری ہے۔" رانی بی کی بھرائی ہوئی آواز پہ میرال ان کے سینے سے لگی سسک پڑی۔

☼ ☼ ☼

سید مصطفیٰ ہاشمی صبح ڈائننگ ٹیبل پر آئے تو تیمور بے فریش موڈ میں ناشتا کر رہا تھا وہ تیمور پہ ایک قہر آلود نگاہ ڈالتے ہوئے چیئر دھکیل کر بیٹھے تو نگہت بیگم نے کن انکھیوں سے ان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

"چائے بناؤں آپ کے لیے؟"

"ہاں۔" انہوں نے مختصر جواب دیا اور اخبار پر نظریں دوڑانے لگے جبکہ توجہ سامنے بیٹھے تیمور پر مرکوز تھی۔

"ممی ڈنر پہ میرا انتظار مت کیجئے گا رات واپسی پہ مجھے دیر ہو سکتی ہے۔" تیمور نے خالی پیالی چائے سے بھرتے ہوئے اطلاع دی۔

"فی الحال تم کہیں نہیں جارہے یہاں بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ وہ لڑکی کون تھی۔" مصطفیٰ ہاشمی نے کاٹ دار آواز میں کہا تو وہ معصومیت کے سابقہ ریکارڈ توڑتے ہوئے بولا۔

"پاپا آپ کس لڑکی کی بات کر رہے ہیں؟"

"میں اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں جسے کل رات نائٹ کلب میں تم لوگوں نے کڈنیپ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہ تو آپ موی کی بات کر رہے ہیں۔" تیمور کا اطمینان مصطفیٰ ہاشمی کو اور بھی تپا گیا۔

"جی ہاں میں اسی موی کی بات کر رہا ہوں۔"

"کم آن پاپا یہ سب بکواس ہے ہم لوگوں نے اسے کڈنیپ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی کل رات سنی نے کچھ زیادہ ہی پی رکھی تھی اور موی اس کی گرل فرینڈ رہ چکی ہے کلب میں اسے کسی اور کے ساتھ دیکھ کر وہ نشے میں بہکنے لگا تھا بس اتنی سی بات تھی اور پریس والوں نے مرچ مسالا لگا کر اس خبر کو بھرپور کوریج دی۔"

"تم اپنی یہ رٹی رٹائی بکواس بند کرو اور مجھے سیدھی طرح بتاؤ اصل چکر کیا تھا۔"

"پاپا آخر آپ میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔" تیمور نے قدرے بلند آواز میں احتجاج کیا۔

"تم مجھ سے اتنے جھوٹ بول چکے ہو کہ اب مجھے تمہاری کسی بات کا یقین نہیں آتا تم کیا سمجھتے ہو؟ اپنی اس فضول گفتگو سے مجھے مطمئن کرلو گے یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے سب جانتا ہوں میں کہ

تم آج کل کن چکروں میں پڑے ہوئے ہو۔"

"تو پھر آپ انویسٹی گیشن کر کے اپنا وقت کیوں برباد کر رہے ہیں۔" تیمور کی بات سن کر ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"دیکھ لیا نگہت بیگم تم نے یہ میں کیا سن رہا ہوں؟"

"مصطفیٰ آپ بھی حد کرتے ہیں کیا پولیس والوں کی طرح تفتیش پہ اتر آئے ہیں۔" نگہت بیگم نے انہیں ٹوکا۔

"تمہارا یہ لاڈلا میرے لیے دردِ سر بن چکا ہے ابھی ایک ہفتہ پہلے ماموں کے فلیٹ پہ پولیس نے اسے ان آوارہ لڑکوں کے ساتھ رت جگا مناتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے پوچھو اس سے یہ آخر چاہتا کیا ہے؟"

"پاپا میں اس وقت چاہتا ہوں کہ آپ مجھے سکون سے ناشتا کر لینے دیں۔" تیمور نے ٹوسٹ پہ چیز لگا کر بائٹ لیتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

"خدا کے لیے تیمور میری عزت خاک میں مت ملاؤ اس معاشرے میں میرا ایک مقام ہے تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے لوگ مجھے متبسم نظروں سے دیکھتے ہیں۔" مصطفیٰ ہاشمی کے لہجے میں عجیب بے بسی تھی تیمور نے پہلی بار اپنی توجہ مبذول کی۔

"میں نے ایسا کیا کر دیا ہے؟"

"یہ سوال اگر تم خود سے کرو تو خاصا معقول جواب ملے گا تمہیں۔"

مصطفیٰ ہاشمی نے اچنبھے سے تیمور کو دیکھا تھا جواب قدرے سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"پاپا پلیز لیو دس ٹاپک میں اس وقت ان فضول قسم کے سوالات میں الجھنا نہیں چاہتا۔"

"لیکن تمہارے یہ کرتوت میری ساکھ تباہ کر رہے ہیں یہ دیکھو فرنٹ پیج پہ اس خبر کو پریس والوں نے کس طرح ہائی لائٹ کیا ہے۔"

مصطفیٰ ہاشمی نے اخبار تیمور کے سامنے پھینک دیا۔

"پاپا یہ سب پریس والوں کی ڈرامے بازیاں ہیں آپ انہیں کچھ دے دلا کر ان کا منہ بند کیوں نہیں کر دیتے؟"

"میں کس کس کا منہ بند کروں؟ تمہارے اسکینڈلز نے مجھے سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم میری پریشانیوں میں اضافہ کرنے کی بجائے اپنی ایکٹویٹیز کو بدلو میں اب تمہارے کسی نان سیریس رویے کو افورڈ نہیں کر سکتا سمجھے تم۔؟" مصطفیٰ ہاشمی نے چائے کی پیالی ٹیبل پہ پٹختے ہوئے گویا آخری وار نک دی تو سامنے بیٹھا تیمور جز بز سا ہو گیا۔

"تیمور بیٹا سوری کرو اپنے پاپا سے۔" نگہت بیگم نے معاملے کی نزاکت سمجھتے ہوئے اسے سرزنش کی تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گیا۔

"ممی میں کوئی چار سالہ بچہ نہیں ہوں کہ آپ مجھے ہر دوسرے لمحے سوری اور تھینکس کہنا سکھائیں سخت چڑ ہے مجھے ان لفظوں سے جا رہا ہوں میں انتظار مت کیجیے گا میرا۔" وہ چیئر دھکیل کر تن فن کرتا باہر نکل گیا تھا۔

"مصطفیٰ آپ بھی بال کی کھال اتارنے لگتے ہیں جوان اولاد کے ساتھ اتنا سخت رویہ اختیار کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔"

"عقل مند تو تم ماں بیٹا ہو ایک میں ہی احمق ہوں جو تمہارے لاڈلے کے الٹے سیدھے کرتوت برداشت کر رہا ہوں وہ بھی صبر و تحمل کے ساتھ۔" اب کے نگہت بیگم نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سکوت تم کوئی بات بولو
کہو کہ کوئی گھٹن ہے اندر
گھٹن کہ جیسے لبوں پہ کوئی جما دے جبراً ہتھیلیاں
اور دبوچ لے دل کے سارے موسم
کہو کہ تاریک کوٹھری جو بجھے چراغوں کی
بے بسی سے بسی ہوئی ہے بسی رہے گی
سکوت تم کوئی بات بولو
کہو کہ جو لفظ کہہ نہ پائے تمام تر ان کہی سے کہانیاں
کی خلش، خلش کی وہ کیفیت جو کسی سدھائے
ہوئے پرندے کے بند پنجرے میں لوٹ آنے پہ جیتی
ہے

کہو کہ یہ ساری مسکراہٹ، یہ گیت، یہ بخت اور
ہماری یہ شان و شوکت مکاں کی بیرونی تختیوں تک ہے
ورنہ دل کی ہر اک بغاوت ہر اک تگ و دو تو اپنے اوپر
والی تختیوں تک ہے
لیکن
ہر تگ و دو
ہر اک مسافت
ہر اک ریاضت
سکوت تم کوئی بات بولو اور یہ بھید کھولو

فضائیں تو آج بھی خاموش تھیں سکوت نے تو آج بھی اپنی چپ نہ توڑی تھی کوئی بھید کوئی خوشی اس کی منتظر نہیں تھی لیکن پودے زرد چولا اوڑھ رہے تھے خزاں کی چرمراہٹ اداس شام کو ادھورے پن کا زخم دیتی ہوئی کس قدر سفاک لگ رہی تھی وہ بہت دیر سے حویلی کے پائیں باغ میں بیٹھی خود کو صحراؤں کی خاموشیوں میں سفر کرتے محسوس کر رہی تھی ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ خود پہ پڑنے والے سرد ہوا کے تھپیڑوں کو روک نہیں سکی تھی ایک نہ مندمل ہونے والی خلش اور طویل مسافت کا ساتھ تھا جو اسے اکثر حویلی کے کمروں سے کھینچ لاتا۔

"ابا کاش آپ نے ماں جان پہ کیے ظلم سے پہلے یہ سوچ لیا ہوتا کہ عمل کا ردعمل کس طرح سر تان کر آن کھڑا ہوتا ہے۔" میرال نے سکوت کے دامن میں رندھی ہوئی آواز کا شکوہ ڈالا تو فضائیں سرگوشیاں کرنے لگیں اسے یوں لگا جیسے وہ اس کی بے بسی پہ مسکرا رہی ہوں۔

"بھئی حد ہو گئی غیر ذمہ داری کی میں تمہیں پوری حویلی میں ڈھونڈ رہی ہوں اور تم یہاں سنگی مجسمے کی طرح ایستادہ ہو۔" عقب سے ایمان اسے پکارتی ہوئی آ رہی تھی اس نے انگلیوں کی پوروں سے آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں کو سمیٹ لیا۔

"بے جی تمہیں یاد کر رہی ہیں۔"

"ایمی تم چلو میں آ رہی ہوں۔"

"جی نہیں تم ابھی میرے ساتھ چل رہی ہو۔" ایمان نے عقب سے آ کر اسے شانوں سے تھام کر اٹھا دیا "ورنہ تم ایک بھٹکی ہوئی روح کا لبادہ اوڑھ کر یہاں ٹہلنے لگو گی۔" ایمان نے مسکراتے ہوئے اس کے اداس چہرے کو دیکھا تھا۔

"اچھا مجھے ایک بات تو بتاؤ تمہیں اس حویلی میں کس چیز کی کمی ہے کیوں اتنی اداس اور گم سم رہتی ہو۔"

میرال چند ثانیے اسے کوئی بھی جواب نہیں دے پائی تھی پھر جیسے اس کے اندر کی خاموشی چیخ اٹھی۔

"ایمان یہاں کمی میرے بدن کو نہیں ہے اس میں سانس لیتی ہوئی زندگی کو ہے۔ کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے میرے بدن میں دھڑکتی زندگی کہیں کھو گئی ہے مجھے اپنی زندگی کہیں دکھائی نہیں دیتی ابا کا حوالہ میرے لیے ایک تلخی بن گیا ہے نظر ملاؤں تو شاید ایک پل بھی جی نہیں سکوں گی اور اگر نظریں چراؤں تو یوں لگتا ہے ڈھیروں نگاہیں مجھ پہ ہنستی ہیں کسے بتاؤں کہ یہ بوجھل زندگی ماں کی گود کے لیے ترس جاتی ہے ابا کی شفقت پانے کے لیے بے چین ہو جاتی ہے۔"

"میرال مت سوچا کرو ان باتوں کو جانتی ہو بے جی اور بابا تمہیں کتنا چاہتے ہیں۔"

"یہ ان کی محبتوں کی پناہ گاہ ہی تو ہے جو مجھے زمانے کے سرد و گرم سے بچائے ہوئے ہے ورنہ معاشرہ ایک بدکردار شخص کی بیٹی کو کب جینے دیتا۔" میرال کی ساکت نگاہیں سامنے فوارے کے کنارے پر بیٹھی ہوئی چڑیوں پہ مرکوز تھیں جو محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی ہوئی اپنی پیاس بجھا رہی تھیں۔

"اس سے پہلے کہ تم مزید سنجیدگی پہ اترو چلو میرے ساتھ۔" ایمان نے اسے بازو سے تھام لیا تھا۔

یہاں اس وسیع و عریض حویلی میں اس نے اپنی زندگی کے بائیس برس گزارے تھے جہاں ممتا کے روپ میں بے جی موجود تھیں اور باپ کی شکل میں بابا صاحب اس کا سہارا تھے نا جانے کیوں پھر بھی دل اس آنگن کے لیے تڑپ اٹھتا جہاں اس کی ماں نے دلہن بن کر قدم رکھا تھا جہاں اس کی ماں کی ممتا سانس لیتی ہو گی جہاں اس کی چوڑیوں کی کھنک بجتی ہو گی۔

کچھ جذبے کچھ منہ زور خواہشیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتیں وہ بھی اپنے اندر اٹھنے والی منہ زور خواہشوں کو روک نہیں پاتی تھی۔

ایمان اب بھی اس کا بازو تھامے ہوئے تھی جب وہ دونوں لمبی سی راہداری عبور کرنے کے بعد اندر آئیں تو بے جی تخت پوش پہ گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز تھیں اور نوری ان کا سر دبا رہی تھی۔

"بے جی سمجھائیے اپنی چہیتی کو پائیں باغ میں برگد کے درخت تلے مت بیٹھا کرے کوئی جن ون عاشق ہو گیا تو اتنی جلدی جان نہیں چھوڑے گا۔" ایمان نے مصنوعی خفگی سے میرال کو دیکھا جبکہ رانی بی تفکر سے اٹھ بیٹھیں۔

"میرو ادھر آ میرے پاس۔" وہ نگاہیں جھکائے ان کے قریب آ بیٹھی۔

"دھیے مجھے بتا کیا بات ہے۔"

انہوں نے میرال کا چہرہ اپنے بوڑھے ہاتھوں میں تھام لیا میرال کے جھیل سے نینوں میں پانی تیر رہا تھا۔

"بے جی مجھے ماں جان کی بہت یاد آ رہی ہے۔" اس کی رندھی ہوئی آواز سن کر رانی بی کے دل میں اک ہوک سی اٹھی۔

"دو جھلی نہ ہو تو بھلا۔" رانی بی نے پیار سے اسے گلے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

میوزک کے بے ہنگم شور سے بیڈ روم کے در و دیوار لرز رہے تھے اسٹیریو ٹیشن کا ہٹ سونگ فلم والیم کے ساتھ کانوں کے پردے پھاڑنے کو تھا۔

نگہت بیگم نے اس کے بیڈ روم میں قدم رکھا تو سگریٹ کے دھوئیں اور تمباکو کی مخصوص مہک نے انہیں سانس روکنے پر مجبور کیا۔

"ارے ممی آپ؟" تیمور جو انہماک سے جینیفر لوپز کا پوسٹر دیوار پہ چپکا رہا تھا انہیں دروازے میں شش و پنج میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

"تیمور اس دھوم دھڑکے کو بند کرو مجھے تم سے بات کرنا ہے۔" تیمور نے ریموٹ اٹھا کر آواز بند کی۔

"ممی اگر کوئی بات تھی تو آپ نے مجھے بلا لیا ہوتا۔"

"کوئی بات نہیں میری جان یہاں آؤ میرے پاس۔" تیمور ان کے قریب بیٹھا تو وہ یونہی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"تیمور بیٹا کیوں کرتے ہو ایسا جانتے ہو تمہارے پاپا کتنے ٹینس رہنے لگے ہیں۔" انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔

"تو یوں کہیں کہ آپ میرے پاس پاپا کی وکالت کرنے آئی ہیں۔"

"بات وکالت کی نہیں ہے بیٹا میں تمہیں صرف سمجھانا چاہتی ہوں کہ تمہارے نان سیریس ایٹی ٹیوڈ سے تمہارے پاپا کی ساکھ متاثر ہو رہی ہے۔"

"میری وجہ سے؟ ممی کم از کم آپ تو یہ مت کہا کریں کبھی پوچھا ہے آپ نے پاپا سے وہ آفیشل ٹور کا بہانہ بنا کر کہاں جاتے ہیں ہر سال ہمیں یورپ کے ٹور پر بھیج کر وہ یہاں تنہا کیوں رہ جاتے ہیں رات گئے اس گھر ـــــــــ میں اعلیٰ حکام کے لیے محفلیں کرا انہیں ڈنر پارٹی کا نام دے کر وہ کسے بے وقوف بناتے ہیں کبھی پوچھا ہے آپ نے پاپا سے کہ ان کے پاس ہمارے لیے وقت کیوں نہیں ہے؟

ممی کیا آپ جانتی ہیں کہ کل صبح ناشتے کی میز پر سے میری ملاقات کتنے ہفتے کے بعد ہوئی ہے والدین بچوں کے لیے رول ماڈل کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن پاپا کو میں کس روپ میں دیکھ کر پروان چڑھا ہوں؟ کبھی سوچا ہے آپ نے کیا وہ مجھے اس تسکین سے روک سکتے ہیں جو وہ اب تک حاصل کرتے رہے ہیں ہمارے ایلیٹ طبقے کی جو اخلاقی قدروں میں تغیر آ چکا ہے اسے ہم میں سے کوئی دور نہیں کر سکتا ہم سب ایک دوسرے کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں لہٰذا ایک دوسرے پہ تنقید کا حق نہ مجھے ہے نہ آپ کو۔"

نگہت بیگم کو ایک لمحہ لگا تھا وہاں سے اٹھنے میں۔

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے لیکن ایک بات ذہن میں رکھ لو بھائی صاحب ایمان کو لے کر لاہور آ رہے ہیں وہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے رہی ہے اور یہیں ہمارے ہاں قیام کرے گی تم اس کی موجودگی میں

ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔"

نگہت بیگم اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہاں رکی نہیں تھیں تیمور نے کشن اٹھا کر دیوار پہ دے مارا۔

"تبدیلی صرف مجھ میں آنی چاہیے اور میرا باپ چاہے کھلم کھلا عیاشی کرتا پھرے مائے فٹ جو میرے جی میں آئے گا وہ میں کروں گا۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ ریموٹ اٹھا کر اسٹیریو آن کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"ایمان ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" میرال الماری سے اس کے کپڑے نکال کر سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔

"کیا بات" ایمان اپنے ڈاکومنٹس پہ نگاہ دوڑاتے ہوئے سرسری سے لہجے میں بولی تو میرال دوپٹہ تہ کرتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی۔

"یہی کہ بابا صاحب نے تمہیں یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کی اجازت کیسے دے دی۔"

"زمانہ بدل گیا ہے میرو۔"

"مگر اس حویلی کے عقائد و نظریات تو وہی ہیں۔"

"میرو بابا ایک پڑھے لکھے اور روشن خیال شخص ہیں وہ تعلیم کی اہمیت سے واقف ہیں ان علاقوں میں انہیں یونہی تو باؤ جی نہیں کہا جاتا۔" ایمان کے لہجے میں مرتضیٰ ہاشمی کے لیے فخر و انبساط تھا۔

میرال ہنسی "یوں کہو ناں بابا صاحب تمہاری بات ٹال ہی نہیں سکتے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو بابا مجھ سے پیار بھی تو بہت کرتے ہیں بے جی بتاتی ہیں میرا چہرہ زینت پھپھو سے مشابہت رکھتا ہے اور بابا کو پھپھو سے بہت پیار تھا سنا ہے زینت پھپھو کو کسی سے محبت ہو گئی تھی اور اسی کے ساتھ وہ رات کی تاریکی میں کہیں بھاگ گئی تھیں۔"

"شش... آہستہ بولو بے جی نے یہ ذکر سن لیا تو ساری حویلی ان کی آواز سے لرز جائے گی۔" میرال نے اس کے لبوں پہ انگلی رکھ کر اسے آہستہ بولنے کی تلقین کی۔

"چھوڑ میرو میں تو کہتی ہوں یہ محبت وغیرہ نری خجل خواری ہے بس۔"

میرال کے حلق سے بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا۔

"تم نے کونسی محبت کی ہے؟"

"فکر نہ کرو میں کبھی محبت کروں گی بھی نہیں۔" ایمان نے تمام ڈاکومینٹس اکٹھے کر کے شولڈر بیگ میں رکھ لیے۔

"احمق لڑکی محبت کے لیے کسی پلاننگ کی ضرورت نہیں ہوتی یہ تو بس ہو جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے استانی جی تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔"

"تو اب تم میرا مذاق اڑاؤ گی؟" میرال نے روہانسے لہجے میں پوچھا۔

"بھئی میں کیوں تمہارا مذاق اڑاؤں گی آخر بارہ جماتیں پاس ہو گاؤں کے اسکول میں استانی لگ سکتی ہو اور جہاں تک بات ہے گریجویشن کی تو وہ بھی کبھی نہ کبھی مکمل ہو ہی جائے گا۔"

"جتنا چاہے بے وقوف بناؤ اتنا دور جا رہی ہو اب میں تمہیں نہیں روکوں گی۔"

"ارے یار تم تو واقعی سیریس ہو گئی ہو۔" ایمان نے بے اختیار اس کے شانوں پر اپنا بازو پھیلا دیا۔

"آئی سوئیر میں تمہیں تنگ کر رہی تھی۔"

"یہ فریضہ تم لاہور جا کر انجام دینا تیمور کبھی بور نہیں ہو گا۔" میرال نے بھی ادھار چکایا۔

"یہ درمیان میں تیمور کا ذکر کہاں سے آ گیا؟" ایمان جھنجلائی تھی۔

"اس کا ذکر تو سب سے پہلے آئے گا آخر ہمارے ہونے والے دولہا بھائی جو ٹھہرے۔"

"میرو کی بچی ان فضول باتوں کو چھوڑو اور جلدی سے یہ کپڑے سوٹ کیس میں رکھو کپڑوں کا ڈھیر تو جوں کا توں دھرا رکھا ہے۔" میرال اس کی جھنجلاہٹ سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"ارے لڑکیو تمہارا کام ختم ہوا یا نہیں ساری تیاری ابھی کر لینا کل سفر کے لیے دیر سویر ہو گئی تو

تمہارے بابا بلاوجہ کی تکرار شروع کردیں گے۔"
میرال نے رانی بی کو مطمئن کیا۔
"بے جی آپ کھانا لگوائیں ہم دونوں ابھی آرہی ہیں۔"
"ٹھیک ہے پتر میں چھیمو سے کہتی ہوں وہ اتنی دیر میں کھانا لگاتی ہے پر جلدی آجانا تیرے بابا تو آج صبح سے اپنے کمرے میں بند ہیں اللہ جانے انہیں کیا ہو جاتا ہے سارا سارا دن کچھ کھائے پیے بغیر اپنے کمرے میں پڑے رہتے ہیں۔۔۔۔"
"آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔" ایمان کے لہجے میں تشویش تھی۔
"بہرحال میں دیکھتی ہوں بابا کو۔" ایمان اپنے کمرے سے نکل کر تیز تیز قدموں سے فاصلہ کم کرتے ہوئے بند دروازے کے سامنے لحظہ بھر رکی اور اس نے آہستگی سے ہینڈل گھما دیا تھوڑا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو مرتضیٰ ہاشمی اضطراری کیفیت میں ایزی چیئر پہ جھول رہے تھے ایمان کے دروازہ کھولنے پر مکمل تاریکی میں روشنی کی ایک تیز لکیر نے انہیں آنکھیں بند کرلینے پر مجبور کردیا تھا۔
ایمان محتاط انداز میں قدم اٹھاتی ان کے قدموں میں آبیٹھی۔
"بابا کیا بات ہے آپ اتنی تاریکی میں کیوں بیٹھے ہیں؟"
مرتضیٰ ہاشمی نے آنکھیں کھول دیں۔
وہی آواز وہی آنکھیں وہی محبت سے لبریز لہجہ وہ حیرانگی سے اس کا چہرہ تکنے لگے ان کے لہجے میں خوف تھا بے یقینی تھی۔
"تت۔۔۔۔ تم یہاں کیوں آئی ہو؟ جج۔۔۔۔ جاؤ چلی جاؤ۔"
"بابا کیا ہو گیا ہے آپ کو ادھر دیکھیں میں ایمان ہوں آپ کی بیٹی۔"
مرتضیٰ ہاشمی کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا اور پسینے کے قطرے ان کے ماتھے پہ چمک رہے تھے۔
"نن نہیں تم جھوٹ بولتی ہو تت تم زینی ہو۔" ان کی آواز ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھی ایمان ان کی حالت دیکھ کر رو دی۔
"بابا سنبھالیں خود کو اور بھول جائیں زینت پھپھو کو۔"
"نہ اسے نہ بھولنا وہ دیکھو اب مسکرا رہی ہے مم۔۔۔۔ مگر ابھی تو وہ رو رہی تھی میں سچ کہہ رہا ہوں وہ ابھی یہیں تھی میرے پاس یہاں۔ اس جگہ مم میں نے اسے نہیں مارا۔۔۔۔" وہ خوف کی شدید کیفیت میں بے ربط انداز میں بول رہے تھے ایمان نے عجلت میں ان کی میڈیسن نکالتے ہوئے بے جی کو پکارا تھا ان پہ Anxiety کا اٹیک ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مصطفیٰ میں دیکھ رہی ہوں آپ کھانا نہیں کھا رہے۔"
"سلیپنگ پلز لینے کے باوجود میں ساری رات سو نہیں سکا۔"
"آپ بھی تو چھوٹی چھوٹی باتوں کو خود پہ سوار کرلیتے ہیں۔"
"میرے فرمانبردار بیٹے نے میری نیندیں حرام کر دی ہیں۔"
"پلیز مصطفیٰ اب چھوڑ دیں ناں اس قصے کو آئی پرامس آئندہ آپ کو تیمور سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"
"یہ جملہ ہر تیسرے دن دہراتے ہوئے تم تھکتی نہیں ہو؟"
"بیٹا بھی تو آپ کا ہے میرے کہنے سننے میں نہیں ہے۔"
"یعنی یہ قصور بھی میرا ہے۔" مصطفیٰ ہاشمی زیر لب مسکرائے۔
"آپ بھی تو کسی سے کم نہیں ہیں۔"
نگہت بیگم کی خفگی انہیں ہنسنے پہ مجبور کر گئی۔
"بائی دا وے آج کل تم نے کسے میری جاسوسی پہ معمور کیا ہوا ہے۔"

"میں تو جیسے آپ کو جانتی ہی نہیں ہوں ناں۔"
"کیا جانتی ہو تم میرے بارے میں کچھ مجھے بھی تو خبر ہو۔"
"بس بس میری زبان مت کھلوائیں۔"
"کمال ہے بھئی میں ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں اور تم مجھے اس جلے کٹے انداز سے روانہ کر رہی ہو؟"
"آپ کا کیا خیال ہے کہ میں آپ کو گانا گا کر الوداع کروں۔"
"آئی تھنک کوئی حرج بھی نہیں ہے۔" ان کے انداز پہ نگہت بیگم کے ہونٹوں پہ عود آنے والی مسکراہٹ بہت بے ساختہ تھی۔
"ایکسکیوزمی پاپا جانے سے پہلے میرا ایک کام کرتے جائیں۔" تیمور ابھی ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تھا۔
"کیسا کام؟"
"کچھ خاص نہیں ہے سوائے اس کے۔۔۔۔" وہ ایک لمحے کو رکا "میرا اکاؤنٹ خالی ہو گیا ہے اگر آپ کچھ رقم ٹرانسفر کروا دیتے تو مجھے آسانی ہو جاتی۔"
"اکاؤنٹ خالی ہو گیا ہے اور وہ بھی اتنی جلدی؟ ابھی پچھلے مہینے میں نے دو لاکھ جمع کروائے تھے وہ کہاں گئے۔"
"پاپا وہ تو تقریباً" اسی ہفتے خرچ ہو گئے تھے۔"
"یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کہاں خرچ ہو گئے۔"
"تو اب آپ مجھ سے حساب کتاب کریں گے؟" تیمور نے جواب دینے کی بجائے الٹا ان پر سوال داغ دیا۔
"کیوں نہ کروں میں حساب کتاب حرام کا مال نہیں ہے میرا۔"
"کسی کا حق کھانا حرام کہلاتا ہے یہ تو سنا ہو گا آپ نے۔"
"واٹ نان سینس کیا بکواس کر رہے ہو تم؟"
"آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ میں اس وقت کیا بکواس کر رہا ہوں۔"
"شٹ اپ اینڈ گٹ لاسٹ۔" مصطفیٰ ہاشمی بلند آواز میں دھاڑے۔
"کول ڈاؤن پاپا میں ابھی چلا جاؤں گا مگر آپ میرا پرابلم سولو کردیں مجھے رقم کی اشد ضرورت ہے۔"
"فی الحال تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے میرے پاس"
"ٹھیک ہے مت دیں یہ جو گاڑی ہے ناں میرے پاس آپ کو آج اسی وقت آدھے گھنٹے کے اندر اندر بیچ کر نہ دکھائی تو میرا نام بھی تیمور ہاشمی نہیں۔"
"رکو تیمور میری بات سنو بیٹا کہاں جا رہے ہو جو کچھ چاہیے تم مجھ سے لو' تیمور میری بات سنو۔" نگہت بیگم اس کے پیچھے لپکیں مگر وہ گاڑی ریورس کر کے گیٹ عبور کر چکا تھا۔ وہ تھکے قدموں سے واپس لوٹ آئیں۔
"اس ناکارہ سے تو بہتر تھا کہ میں بے اولاد ہی رہتا جنم بنا کر رکھ دی ہے اس لڑکے نے میری زندگی۔" مصطفیٰ ہاشمی غصے میں چلا رہے تھے۔
"آپ نے بھی غصہ ناک پہ دھرا ہوتا ہے ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ اب وہ بچہ نہیں ہے جوان بیٹے کے ساتھ اتنا سخت رویہ روا رکھیں گے تو تنہا رہ جائیں گے۔"
"میں اب بھی تنہا ہوں میرے کسی دکھ سکھ کو اس نے کبھی شیئر نہیں کیا اس سے بڑی تنہائی میرے لیے اور کیا ہو گی۔۔۔ جوانی تو ہم پہ بھی آئی تھی۔۔۔ لیکن تمہارے لاڈلے نے تو آسمان سر پہ اٹھا رکھا ہے۔"
"میرا لاڈلا آپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔"
"اس اکلوتے نے میری جان عذاب میں ڈال رکھی ہے تم بھائی صاحب کا نمبر ملاؤ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"کیا بات کریں گے آپ اس وقت ان سے؟"
"نگہت بیگم میں اس وقت جو کہہ رہا ہوں تم صرف وہ کرو۔"
ان کی تنبیہہ پہ نگہت بیگم ٹیلی فون کارنر کی طرف چلی آئیں۔
حویلی سے ایمان نے کال ریسیو کی تھی۔

"ہاں ایمان بیٹا میں بات کر رہی ہوں تمہاری چاچی

کیسی ہو بیٹا؟ میں تو تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ کیا بھائی صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے کب سے؟" انہوں نے تفکر سے مصطفیٰ ہاشمی کو دیکھا۔۔۔ "تو بیٹا تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا اب کیسی طبیعت ہے ان کی نہیں اگر وہ سو رہے ہیں تو انہیں ڈسٹرب مت کرو بھابو کیسی ہیں گاؤں میں سب خیریت ہے نا؟ اور وہ کیوٹ سی لڑکی کیا نام ہے اس کا ہاں میرال کیسی ہے؟

یہاں سب خیریت ہے بیٹا تمہارے چاچا ابھی اسلام آباد جانے کے لیے روانہ ہو رہے ہیں بس جانو لائف بہت بزی ہو گئی ہے تم آجاؤ گی تو میری بوریت بھی دور ہو جائے گی۔۔۔ بھابو کو سلام کہنا میں شام کو دوبارہ رنگ کروں گی او کے بیٹا نیک کیئر۔"

ریسیور رکھ کر وہ مصطفیٰ ہاشمی کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"ایمان بتا رہی تھی کہ بھائی صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے سو رہے تھے۔"

"تم نے پوچھا نہیں کیا ہوا ہے انہیں؟"

"ہونا کیا ہے وہی Anxiety پرابلم ہے ایمان بتا رہی تھی اعصابی تناؤ، تشویش اور مسلسل خوف سے انگزائیٹی کا اٹیک ہوا تھا۔۔۔ ایمان نے انہیں میڈیسن دے دی ہے اب پہلے سے کچھ بہتر ہیں اس کیفیت میں وہ دو دن اسٹریس میں مبتلا رہے ہیں۔ مائی گاڈ انہیں اس خوف سے نکالنے کے لیے کسی سائیکاٹرسٹ کی اشد ضرورت ہے مصطفیٰ آپ بھائی صاحب کو پہلے بھی تو کتنے ہی سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جا چکے ہیں مگر ان کی کیفیت کسی صورت نارمل نہیں ہو رہی شاید انہوں نے زینت کی وفات کو خود پہ سوار کر لیا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو اس شدید نوعیت کے حادثے نے ان کے ذہن پر کچھ ایسے تاثرات ثبت کیے ہیں کہ وہ لاشعوری طور پر ان ۔۔۔ کے اثر سے نکل نہیں پا رہے۔"

"پتہ نہیں بھابو کے دل پہ کیا گزر رہی ہوگی آپ کو بھی تو وقت نہیں ملتا کہ ہم گاؤں سے ہی ہو آئیں کتنا عرصہ ہو گیا ہے ہمیں گاؤں گئے ہوئے۔" نگہت بیگم نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"میں اسلام آباد سے ہو آؤں تو گاؤں بھی چلے جائیں گے تم ذرا میرا سوٹ کیس وغیرہ گاڑی میں رکھوا دو اور ہاں شام میں حویلی فون کر کے بھائی صاحب کی خیریت پوچھ لینا۔" مصطفیٰ انہیں یاد دلا کر بیڈ روم کی طرف بڑھ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آنکھوں کی رم جھم کم ہو جاتی ہے لیکن دل میں برسنے والا دکھ زیادہ ہو جاتا ہے مرتضیٰ ہاشمی بھی اسی دکھ اور اسی کیفیت سے گزر رہے تھے وہ اپنی عزیز از جاں بہن کے قتل کو ابھی تک بھولے نہیں تھے پہلے زینت کی یاد میں آنکھیں برسا کرتی تھیں مگر اب یہ غم ان کے سینے میں طوفان بادو باراں بن کر اٹھتا اور وہ خفقانی کیفیت کا شکار ہو جاتے تھے نفسیاتی ماہرین Anxiety پرابلم کی وجہ جاننے سے قاصر تھے سکون آور ادویات اور سائیکو تھراپی جیسے عمل بھی بے سود ثابت ہوئے تھے۔ بظاہر جو وجہ سب کی سمجھ میں آ رہی تھی وہ زینت کی موت ہی تھی جو ان کے ذہن پہ ثبت ہو چکی تھی اور اس بھیانک حادثے سے متعلق خواب و خیال انہیں سونے نہیں دیتے تھے زینت کا خون میں لت پت وجود مرتضیٰ ہاشمی کو گھبراہٹ، خوف اور تشویش کی شدید کیفیت میں مبتلا کر دیتا اور وہ اہل خانہ سے بھی کترانے لگتے اب بھی وہ مسلسل تین دن سے اپنے کمرے میں بند تھے اگرچہ صحت اب پہلے سے بہتر محسوس ہو رہی تھی۔

"بابا کیسے ہیں آپ؟" ایمان سوپ کا باؤل لیے ان کے کمرے میں چلی آئی۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟ دیکھو میں بالکل ٹھیک ہوں۔" انہوں نے ایمان کے ساتھ ساتھ خود کو بھی دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔

"بابا دیکھیں میں نے آپ کے لیے کیا بنایا ہے؟

جلدی سے یہ سوپ پی کر بتائیں کہ میں نے کیسا بنایا ہے۔" ایمان نے چمچہ بھر کے ان کے لبوں سے لگایا۔

"بہت اچھا ہے۔" مرتضیٰ ہاشمی نے محبت سے اسے دیکھا۔ اس کے بعد انہوں نے کوئی بات نہیں کی تھی بس چپ چاپ سوپ پیتے رہے ایمان دیکھ رہی تھی وہ ذہنی طور پر یہاں نہیں تھے ایمان آہستگی سے باہر نکل گئی تھی۔

شام کے سائے تاریکیوں میں ڈھل رہے تھے اور صبح صادق کے وقت انہیں گاؤں سے لاہور روانہ ہونا تھا اس کی ساری تیاری مکمل تھی میرال نے اس کی ضرورت کی ہر شے سوٹ کیس میں رکھ دی تھی اسی لیے ایمان مطمئن تھی۔

رات دیر سے سونے کے باوجود صبح خلاف توقع بے جی کو اسے جگانا نہیں پڑا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے کپڑے تبدیل کیے اور ایک بار پھر اپنے شولڈر بیگ میں ضروری کاغذات دیکھنے لگی کوئی چیز رہ نہ گئی ہو۔

"تم بھی حد کرتی ہو ایمی یہ چوتھی بار تم اپنا بیگ ٹٹول رہی ہو۔" میرال نے اسے ایک بار پھر کاغذات کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے دیکھ کر ٹوکا۔

"یار دیکھ لینے میں کیا حرج ہے اگر کچھ رہ گیا تو مسئلہ بن جائے گا وہاں۔۔۔ اور ایڈمیشن فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ پرسوں ہے اب تم ہی بتاؤ فکر تو ہے ناں مجھے۔"

لینڈ کروزر میں سارا سامان رکھا جا چکا تھا۔ اور وہ بے جی سے لپٹی رو رہی تھی۔

"نہ میری بچی دل چھوٹا نہ کر تیرا چاچا اور چاچی تیرا بڑا خیال رکھیں گے۔"

"اب اس جذباتی سین کو ختم ہو جانا چاہیے۔" مرتضیٰ ہاشمی نے بے زاری سے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تو ایمان میرال سے لپٹ گئی۔

"ایمی میں تمہیں بہت مس کروں گی یہ حویلی بہت سونی ہو جائے گی۔" اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو ایمان نے اپنی پوروں سے صاف کیے۔

"میں تمہیں روز فون کیا کروں گی۔۔۔ وعدہ!"

میرال نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا تو ایمان بھی ہنس پڑی "پکا وعدہ۔"

ایمان بے جی کی دعاؤں اور میرال کی محبتیں سمیٹتی ہوئی پچھلی نشست پہ مرتضیٰ ہاشمی کے ساتھ آ بیٹھی حاکم دین نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال رکھی تھی ان کے بیٹھتے ہی باڈی گارڈ اگلی نشست پہ آن بیٹھا اور گاڑی چل پڑی۔

☼ ☼ ☼

تیمور کئی دن سے گھر نہیں آیا نگہت بیگم بے حد پریشان تھیں بظاہر وہ ایمان اور مرتضیٰ ہاشمی کی خاطر تھیں مگر دھیان تیمور کی طرف تھا وہ جب سے لڑ کر نکلا تھا اس کے بعد سے اس نے اپنی کوئی خیر خبر نہیں دی تھی۔

"بی بی جی گاؤں سے بڑے صاحب اور ایمان بی بی آئی ہیں۔"

"تو یہاں کھڑی میرا منہ کیا تک رہی ہو جلدی سے انہیں اندر لے کر آؤ اور ہاں خان بابا سے کہو لنچ پہ کچھ اچھا سا بنا لیں۔" ملازمہ جس تیزی سے اندر آئی تھی اسی تیزی سے سر ہلا کر پلٹ گئی۔

نگہت بیگم نے بے اختیار ساڑھی کا پلو درست کرنے کے بعد سر پہ پھیلا لیا۔

"سلام بھائی صاحب۔"

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔"

"ارے ایمان میری جان کیسی ہو۔۔۔ کیا رنگ روپ نکالا ہے خدا نظر بد سے بچائے۔"

نگہت بیگم نے سمٹی سمٹائی سی ایمان کو خود سے بھینچ لیا۔

"بھائی صاحب آپ کھڑے کیوں ہیں بیٹھیے نا اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔۔۔ کل بھابو سے فون پہ میری بات ہوئی تھی۔۔۔ بہت فکر مند تھیں۔"

"وہ تو بس یونہی پریشان ہو جاتی ہے بھلا مجھے کیا ہونا ہے۔"

"بھائی صاحب آپ بھابو کو بھی ساتھ لے آتے

کتنا ہی عرصہ ہو گیا ہے ان سے ملے ہوئے۔" نگہت بیگم ایمان کو اپنے بازو میں لیے قریبی صوفے پہ آ بیٹھیں۔

"تمہاری بھابو نے گاؤں سے کچھ چیزیں بھجوائی ہیں حاکم دین گاڑی سے نکال رہا ہے۔"

"بھائی صاحب اس تکلف کی کیا ضرورت تھی میرے لیے تو ایمان کا آجانا ہی باعث خوشی ہے۔"

نگہت بیگم نے زیر لب مسکراتے ہوئے ایمان کو دیکھا۔

"ایمان بیٹا دیکھا تمہاری چاچی کو تم سے کتنی محبت ہے۔"

"جی پاپا۔" وہ بھی ہولے سے مسکرائی۔

"محبت کیوں نہ ہو ایمان تو ہے ہی میری بیٹی کیوں بھائی صاحب۔"

"بے شک۔" مرتضیٰ ہاشمی نے تائید کی۔

نگہت بیگم گیسٹ رومز میں ان کا سامان رکھوا چکی تھیں۔۔۔ ایمان فریش ہو کر دوبارہ چاچی کے پاس آن موجود ہوئی اور مرتضیٰ تھوڑی دیر ستانے کی غرض سے لیٹ گئے تھے۔ دوپہر کے کھانے پہ نگہت بیگم نے خاصا اہتمام کروا رکھا تھا۔

"میرا شہزادہ گھر میں نہیں ہے تو یوں لگ رہا ہے جیسے کچھ بھی نہیں ہے۔"

"بھائی صاحب ہم تو اس لڑکے کی حرکتوں سے سخت عاجز ہیں مصطفیٰ کی پریشانی کسی صورت کم نہیں ہوتی آپ ہی تیمور کو کچھ سمجھائیے گا ہماری تو وہ سنتا ہی نہیں ہے۔" ڈائننگ ٹیبل پہ نگہت بیگم شاکی ہو رہی تھیں اور ایمان کا ذہن الجھ رہا تھا۔

"کیوں پریشان ہوتے ہو تم دونوں ابھی بچہ ہے خود بخود ٹھیک ہو جائے گا مصطفیٰ اس عمر میں تھا تو اس نے پورے خاندان کو دخت ڈال رکھا تھا۔ بیٹا بھی تو اسی کا ہے کچھ تو اثر ہونا ہی تھا۔"

"بھائی صاحب میں تو ان باپ بیٹے کے درمیان شٹل کاک بنی ہوئی ہوں۔"

"پریشان ہونے سے مسائل حل نہیں ہوتے مصطفیٰ کو بھی اپنے اندر لچک پیدا کرنی ہو گی۔۔۔ جب بچے چھوٹے ہوتے ہیں وہ خود بخود والدین کی عزت کرتے ہیں جبکہ جوان اولاد سے عزت کروانا پڑتی ہے۔"

"یہی تو میں مصطفیٰ کو سمجھاتی ہوں مگر وہ تو کہتے ہیں میں صحیح ہوں اور باقی سب غلط ہیں۔" مرتضیٰ ہاشمی نے بے اختیار قہقہہ لگایا وہ اپنے چھوٹے بھائی کی اس عادت سے واقف تھے۔

"ایمان بیٹا تم نے تو کچھ نہیں کھایا۔۔۔ یہ ڈش ٹرائی کرو۔"

ایمان نے جھک کر تھوڑا سا چکن اپنی پلیٹ میں ڈال لیا یک لخت فون کی بیل نے ان کی توجہ مبذول کی۔

"مصطفیٰ کا فون ہو گا۔۔۔ انہیں معلوم تھا کہ آج آپ آنے والے ہیں۔ ایکسکیوزمی میں دیکھتی ہوں۔" نگہت بیگم ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی اٹھ گئیں۔

"ہیلو جی میں مسز نگہت مصطفیٰ بات کر رہی ہوں۔ کیا۔۔۔ تت تیمور تو ٹھیک ہے ناں؟ آ۔۔۔ آپ مجھے بتائیں وہ اس وقت کہاں ہے کس ہاسپٹل میں ہے۔۔۔" وہ بدحواسی میں با آواز بلند بول رہی تھیں۔۔۔ ایمان اور مرتضیٰ ہاشمی بھی کھانا چھوڑ کر لاؤنج میں آ چکے تھے۔

"کیا بات ہے نگہت؟۔۔۔ تیمور تو خیریت سے ہے؟"

"خدا کرے بھائی صاحب کہ وہ خیریت سے ہو اس کے دوست مامون کا ہاسپٹل سے فون تھا تیمور اور اس کے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں خدا بہتر کرے گا ایمان بیٹا تم اپنی چاچی کو سنبھالو میں حاکم سے کہتا ہوں جلدی سے گاڑی نکالے۔"

جب وہ ہاسپٹل پہنچے تو پرائیویٹ رومز کے ویٹنگ لاؤنج میں تیمور کے دوست موجود تھے مامون نے انہیں

روم نمبر بتا دیا تھا۔

"تیمور میری جان یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں کوئی فریکچر تو نہیں ہوا۔"

"ممی سب ٹھیک ہے کچھ نہیں ہوا مجھے البتہ سنی کو کافی چوٹیں آئی ہیں وہ ابھی آئی سی یو سے منتقل ہوا ہے۔"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ تھیں شکر کرو زیادہ چوٹیں نہیں آئیں ورنہ اس حادثے کی خبر سن کر میری تو روح ہی فنا ہو گئی تھی۔" نگہت بیگم دیوانہ وار اس کے چہرے اور ہاتھوں پر پیار کر رہی تھیں۔

"ممی آئم اوکے میں بالکل ٹھیک ہوں۔" تیمور نے سنبھل کر اٹھتے ہوئے کہا۔

"اوہ میں بھی کتنی پاگل ہوں۔۔۔ باتوں میں کچھ یاد ہی نہیں رہا ایمان بھی میرے ساتھ آئی ہے۔" انہوں نے اپنے عقب میں کھڑی ایمان کو شانوں سے تھام کر اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔

"ہیلو ایمان کیسی ہو؟" تیمور کا انداز رسمی تھا۔

"فائن اب آپ کیسے ہیں؟" ایمان کی طرف سے بھی رسمی جملے کا تبادلہ ہوا۔

"یقیناً" بہتر ہوں مگر ممی بلاوجہ ٹینس ہو رہی ہیں تم ہی انہیں کچھ سمجھاؤ۔۔۔ ممی آپ کے ساتھ کون آیا ہے؟"

"بھائی صاحب ہی ہمیں یہاں لائے ہیں ابھی باہر مامون کے پاس کھڑے تھے۔"

"اور پاپا۔۔۔"

"وہ گھر پہ نہیں ہیں۔"

نگہت بیگم کے بتانے پر تیمور نے ایک طویل سانس لیا۔

"تھینکس گاڈ ورنہ ہاسپٹل میں وہ ایک نہ ختم ہونے والی تقریر کر رہے ہوتے۔۔۔" نگہت بیگم نے اسے خشمناک نظروں سے دیکھتے ہوئے ایمان کی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

اگلے چند دنوں میں اسے ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔۔۔ اسلام آباد سے واپسی پر مصطفیٰ ہاشمی تیمور کی ایک نئی پرابلم کری ایٹ کرنے پہ حسب سابق سخت جھنجلاہٹ کا شکار تھے اور اس کا برملا اظہار وہ بڑے بھائی سے کر رہے تھے۔

"بھائی صاحب پلیز آپ اسے گاؤں لے جائیں ورنہ اس کی وجہ سے میرا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔"

"یار کیا ہو گیا ہے تجھے؟ تیرے رویے نے اسے باغی بنا دیا ہے۔۔۔ زیادہ سختی کرے گا تو وہ کوئی اور قدم اٹھا بیٹھے گا احتجاج کے طور پہ اس نے گاڑی بیچ دی کل کو کچھ اور بھی بیچ سکتا ہے۔"

"بھائی صاحب آپ نہیں جانتے ڈھیٹ بن چکا ہے میری کسی بات کا اثر نہیں ہوتا اس پہ پڑھائی میں اس کا دل نہیں لگتا اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم دلوانے کی کوشش کی مگر بمشکل اس لڑکے نے گریجویشن کیا زمینوں سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے فیکٹری یہ نہیں جاتا سیاست اسے یوں بھی پسند نہیں ہے۔۔۔ سارا دن ان آوارہ لڑکوں کے ساتھ گزارتا ہے۔ بھلے کچھ مت کرے لیکن ایک اچھا انسان تو بن کر دکھا سکتا ہے مگر نہیں یہ لڑکا مجھے ٹارچر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔"

"ٹھیک ہے مصطفیٰ تم کہتے ہو تو میں تیمور کو اپنے ساتھ گاؤں لے جاتا ہوں تم بھی اپنے لہجے میں شفقت لاؤ۔۔۔ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔۔۔ مجھے تو اس نے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔"

سید مرتضیٰ انہیں بھی سمجھا رہے تھے۔۔۔ شام کو انہیں گاؤں روانہ ہونا تھا۔۔۔ مگر تیمور کسی صورت گاؤں نہیں جانا چاہتا تھا۔

"تاؤ جی میں گاؤں جا کر کیا کروں گا؟ میں تو وہاں ایک دن بھی نہیں گزار سکتا۔"

"تیمور بیٹا تم ایک بار چلو تو سہی وہاں اتنی بڑی برادری ہے گاؤں کے گاؤں اپنی ملکیت ہیں اور آج کل تو وہاں شکار بھی بہت ملتا ہے اسی بہانے تمہارا یہ شغل بھی پورا ہو جائے گا۔" انہوں نے تیمور کو قائل کرنے کی بھرپور سعی کی۔

"آئی پرامس تاؤ جی میں گاؤں ضرور آؤں گا مگر کچھ دنوں کے بعد۔"

"بیٹا جیسی تمہاری مرضی مگر تمہیں یہ یاد رہنا چاہیے کہ تمہارے تاؤ تمہارے منتظر رہیں گے۔" انہوں نے تیمور کا شانہ تھپکا۔

"میری یادداشت پاپا کی طرح کمزور نہیں ہے۔" تیمور کی بات پہ مرتضیٰ کھل کر مسکرائے تھے شام کو وہ گاؤں کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

آج آخری تاریخ تھی اور اسے ہر حال میں ایڈمیشن فارم جمع کروانے تھے۔

"ایمی بیٹا کیوں پریشان ہوتی ہو تمہارے چاچا صرف ایک فون کریں گے اور کام ہو جائے گا۔"

"نہیں چاچی اتنے چھوٹے سے کام کے لیے چاچا کو زحمت دینا ٹھیک نہیں ہے۔ میں خود جا کر ایڈمیشن فارم جمع کروا دوں گی۔ اور پھر یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ریگولر کلاسز کب شروع ہوں گی۔"

"بیٹا جیسے تم چاہو۔ اگر تیمور گھر پہ ہوتا تو وہ تمہیں لے جاتا بہرحال میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا ہے جب تک تم فارم جمع کرواؤ گی وہ باہر کھڑا رہے گا۔"

ایڈمیشن فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ تھی ایمان اتنی لمبی لائن دیکھ کر خاصی پریشان ہو رہی تھی ۔۔۔ اوپر سے موسم کی ستم ظریفی کہ سیاہ بادل تیز ہوا کے ساتھ ساتھ منڈلا رہے تھے ۔۔۔ بس ابھی برسے کہ برسے اور فارم جمع کروانے والی لائن تھی کہ رینگ رہی تھی۔ وہ ڈھنسی ہوئی لائن میں پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے کھڑی تھی اسی لیے اب سخت کوفت ہو رہی تھی ۔۔۔ ایک دم پیچھے سے زوردار دھکا دیا گیا اور ایمان گرتے گرتے بچی۔

"پلیز آپ تھوڑا آگے ہو جائیں۔" ایمان منمنائی۔

"محترمہ اور کتنا آگے ہو جاؤں۔" اس نے انتہائی بدتمیزی سے کہا۔

"لڑکیوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیا؟" آگے کھڑے ایک لڑکے نے پلٹ کر دیکھا۔

"اوئے تو بیچ میں ٹانگ اڑانے والا کون ہے چاچا لگتا ہے کیا؟" ریڈ شرٹ والا لڑکا بڑی ڈھٹائی سے بولا تھا۔

"یہ تو میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔" اگلے ہی لمحے ذایان اسے گریبان سے پکڑ کر لائن سے باہر لے آیا۔

بہت سے اسٹوڈینٹس بیچ بچاؤ کروانے کے لیے ارد گرد جمع ہو رہے تھے۔

"آپ پلیز جائیں یہاں سے اور یہ فارم مجھے دیں میں اپنی کزن کے ساتھ آپ کا فارم بھی جمع کروا دوں گا۔" علی نے عجلت میں اس کے ہاتھ سے فارم لینے چاہے۔

ایمان گھبرا کر اسے فارم تھما کر تیز تیز قدموں سے گیٹ کی طرف بڑھ گئی تھی ۔۔۔ پتہ نہیں وہاں اور کتنی دیر تک ہنگامہ برپا رہا تھا ۔۔۔ مگر اس نیلی آنکھوں والے نے خوب درگت بنائی تھی مقابل لڑکے کی ۔۔۔

☼ ☼ ☼

پہلے دن یونیورسٹی جاتے ہوئے وہ بہت اکسائیٹڈ ہو رہی تھی ۔۔۔ ڈرائیور اسے چھوڑ آیا تھا گاؤں کے ماحول اور حویلی کی اونچی دیواروں سے نکل کر ایک دم سے آزادی کا احساس ہو رہا تھا۔

افراتفری کا عالم تھا، کہیں راہداریوں میں گروپ بنائے اسٹوڈینٹس کسی اہم ایشو پہ ڈسکشن کرتے ہوئے ۔۔۔ کہیں مدھر ہنسی کا ساز اور کہیں گمبھیر آواز کا طلسم ۔۔۔ وہ اشتیاق بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی اپنی فائل سینے سے لگائے کلاس روم کی طرف جا رہی تھی۔

"ارے آپ اور یہاں؟"

وہ جو کوئی بھی تھا کسی ستون کی اوٹ سے نکل کر اس کے راستے میں اتنی اچانک وارد ہوا تھا کہ ایمان اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی جبکہ وہ شخص چہرے پہ خباثت لیے اپنے دونوں بازو پھیلائے کچھ اس انداز سے کھڑا تھا کہ وہ سہم کر سمٹ سی گئی۔

"جج ۔۔۔ جی فرمائیے آ ۔۔۔ آپ ہیں کون؟" اس کے گھبرائے انداز پہ اس شخص کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"کمال ہے اتنی جلدی بھول گئیں ابھی رات کو ہم دونوں نے اکٹھے ڈنر کیا تھا ۔۔۔ وہ بھی تمہارے فیورٹ ریستوران میں۔"

"مم مسٹر آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میں آپ کو بالکل نہیں جانتی۔" ایمان نے تو آؤ دیکھا نہ تاؤ سرپٹ دوڑ لگا دی ۔۔۔ کلاس شروع ہوئے دس پندرہ منٹ ہو چکے تھے ایمان کو اپنی پوزیشن خاصی آکورڈ لگ رہی تھی اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"مم مے آئی کم ان سر؟" اس کی منمناہٹ پر پروفیسر صاحب کی آواز کو یک لخت بریک لگ گیا۔

"یس کم ان۔" گرج دار آواز میں اجازت دی گئی وہ لرزتے قدموں سے ایک خالی نشست پہ آ بیٹھی۔

"اسٹینڈ اپ آپ کو بیٹھنے کی اجازت کس نے دی ہے؟" پروفیسر صاحب نے اسے چشمے کی اوٹ سے گھورا وہ سراسیمہ سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی وہی سہما ہوا انداز وہی دھواں ہوتا چہرہ اس سے پہلے کہ وہ اپنی گھبراہٹ پہ قابو پاتی پروفیسر صاحب نے سوال داغ دیا۔

"کیا نام ہے آپ کا؟"

"سس ۔۔۔ سر مم مجھے ایمان کہتے ہیں۔"

"کون لڑکے یا لڑکیاں؟" پروفیسر صاحب کے استفساریہ کلاس میں دبی دبی ہنسی گونجی۔

"ڈسپلن پلیز۔" ان کی بلند آواز پہ ایک بار پھر سکوت چھا گیا۔

"ہاں تو مس ایمان کیا آپ جانتی ہیں کہ لیکچر شروع ہوئے کتنی دیر ہو چکی ہے؟"

وہ خود کو کلاس روم کی بجائے احتساب بیورو کے آفس میں کھڑی محسوس کر رہی تھی۔

"پندرہ منٹ پورے پندرہ منٹ کا لیکچر آپ مس کر چکی ہیں آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم یہاں وقت ضائع کرنے کی بجائے آپ جیسے نااہل اور غیر ذمہ دار اسٹوڈینٹس سے دماغ کھپانے کے لیے آتے ہیں آپ نے یونیورسٹی کو سمجھ کیا رکھا ہے؟ محض ایک پکنک پوائنٹ کہ جب جی چاہا چلے آئے۔" پوری کلاس کی موجودگی میں پہلے ہی دن اتنی توہین اتنی ذلت وہ اپنے تمام تر حوصلوں کو پس پشت ڈالے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی اس کی اس حرکت پہ یقیناً پروفیسر صاحب بوکھلا گئے۔

"مس ایمان پلیز خاموش ہو جائیے میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ می۔" پروفیسر صاحب ڈائس سے ہٹ چکے تھے۔

"ابے ذایان ۔۔۔ جلدی نکل پروفیسر اسد گیلانی اسی طرف آ رہے ہیں ۔۔۔" علی نے دروازے سے منہ نکال کر اطلاع دی تو ذایان عجلت میں سر سے وگ اور داڑھی مونچھیں اتارنے لگا فرسٹ ایئر کے اسٹوڈینٹس کو فائنل والے پچھلے بیس منٹ سے بے وقوف بنا رہے تھے ۔۔۔ یہ صورت حال کم از کم نئے آنے والوں کے لیے خاصی حیران کن تھی ایمان تو جیسے گنگ ہو گئی تھی۔

اور دونوں نے کینٹین کا رخ کیا۔

"یار علی ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"ہمیں نہیں صرف تمہیں۔"

علی نے ٹن پیک سے ایک بڑا سا گھونٹ بھر کر ذایان کی طرف اشارہ کیا۔

"اور مجھے یہ الٹا سیدھا مشورہ کس نے دیا تھا؟"

"یقیناً" میں نے ۔۔۔" علی نے سینڈوچز کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے۔"

"بلے بھئی بلے ڈانٹ تو رہا تھا اس پینڈو کو اور قصور میرا نکال رہا ہے۔"

"یار وہ تو سینئر ہونے کے ناتے جسٹ فار انجوائے منٹ تھا میری جان میں نے تجھے پروفیسر اسد گیلانی کا گٹ اپ اپنانے کو کہا تھا کسی ہلاکو خاں کا نہیں" علی نے پلیٹ میں بچا ہوا آخری سینڈوچ بھی اٹھا لیا۔

"وہ احمق لڑکی کیسے بچوں کی طرح رو رہی تھی ۔۔۔"

ذایان نے اسے یاد دلایا تھا۔
"وہ احمق لڑکی وہی تھی ایڈمیشن فارم والی۔"
"رئیلی۔" ذایان نے حیران نظروں سے علی کو دیکھا۔
"تو اور کیا تم تو اس لڑکے کی ٹھکائی میں مصروف تھے اور میں نے ہی اس کا ایڈمیشن فارم لائبہ کے فارم کے ساتھ جمع کروایا تھا۔"
"یار وہ تو شکل سے ہی احمق لگتی ہے کوئی بھی اسے آسانی سے بے وقوف بنا سکتا ہے۔"
"تو میری جان تم کیوں بلاوجہ فکر مند ہو رہے ہو؟" علی نے اسے ٹٹولا۔
"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے الٹی سیدھی فکریں پالنے کی میں تو سوچ رہا تھا کہ اگر وہ کہیں مل جائے تو اس سے ایکسکیوز کرلوں۔"
"وہ دیکھ سامنے۔" علی نے اسے اشارہ کیا۔ ذایان نے علی کی نظروں کا تعاقب کیا۔
"یہ تو وہی ہے اور لائبہ کے ساتھ۔"
لائبہ جو علی کی فرسٹ کزن ہونے کے ساتھ ساتھ علی کی منگیتر بھی تھی ایمان کے ساتھ کسی خالی ٹیبل کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑا رہی تھی۔۔۔ علی نے ہاتھ بلند کر کے اس کی توجہ مبذول کروائی۔۔۔۔
چند ہی لمحوں میں لائبہ ایمان کا ہاتھ تھامے ان کی ٹیبل پہ چلی آئی۔
"ہائے ذایان بھائی کیسے ہیں آپ؟ پرسوں پولو کلب میں آپ کا میچ دیکھا تھا۔۔۔ سچ میں تو صرف آپ کو دیکھنے گئی تھی۔۔۔"
"اہم اہم مابدولت بھی یہاں موجود ہیں۔" علی نے جیلسی ہوتے ہوئے توجہ دلائی۔۔۔۔
"میں تم سے نہیں ذایان بھائی سے ہی ملنے آئی ہوں۔۔۔ سب سے پہلے میں تعارف کروا دوں ایمان ان سے ملو یہ ہیں فائنل کے بڑے لائق فائق اسٹوڈینٹس اور پولو نیشنل ٹیم کے بہترین کھلاڑی ذایان آفریدی، علی کے بہت اچھے دوست ہیں اور میرے منہ بولے بھائی۔" نیلی آنکھوں اور سرخ و سفید رنگت والا وہ اونچا لمبا نوجوان وہی تھا ایمان کے ماتھے پہ آنے والی ناگواری کی لکیر بہت واضح تھی۔
"یہ وہی ہیں نا جو اس دن ہمیں بے وقوف بنا گئے تھے۔"
"محترمہ فوریور کائنڈ انفرمیشن کہ بنی بنائی کو مزید نہیں بنایا جاتا؟ اینی وے اگر آپ نے اس چھوٹی سی شرارت کو اتنا سیریس لیا ہے تو میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔۔۔ آپ لوگ انجوائے کریں۔"
"علی کلاس کا وقت ہو رہا ہے۔" ذایان نے رسٹ واچ دیکھ کر علی کو اٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ دونوں اپنی فائلز اٹھا کر باہر نکل گئے۔
پھر ایسا اکثر ہونے لگا کبھی راہداریوں میں کبھی ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیوں پر کبھی کینٹین میں کبھی لائبریری میں اور کبھی اسپورٹس ہال میں اس کا سامنا ذایان آفریدی سے ہونے لگا جو اپنے نام کا پرتو چاند کی طرح روشن اور خوب صورت تھا۔۔۔ لڑکیاں اس پہ فدا تھیں تو بجا تھیں وہ تھا ہی ایسا ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا لینے والا۔

☼ ☼ ☼

"لائبہ تم نے میرا بیگ تو نہیں دیکھا۔" وہ فکر مندی سے گراؤنڈ میں نوٹس بناتی لائبہ سے پوچھ رہی تھی۔
"مجھے کیا معلوم میں نے تو آج پہلی کلاس اٹینڈ ہی نہیں کی تھی۔"
"مائی گاڈ کہاں ڈھونڈوں؟" وہ رو دینے والے انداز میں لائبہ کے پاس آ بیٹھی۔
"ایمی تم بھی تو لاپروائی کی حد کرتی ہو لگ گیا ہو گا کسی ضرورت مند کے ہاتھ۔"
"یار اب ڈراؤ تو نہیں بہت اہم نوٹس تھے میرے بیگ میں اور تم تو جانتی ہو کہ اگلے ہفتے مجھے اپنا اسائنمنٹ جمع کروانا ہے۔" آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ چکے تھے۔
"سلی گرل سب کی نظریں تم پہ ہیں یہ کیا تم بچوں

کی طرح رونا شروع کر دیتی ہو ڈونٹ وری مل جائے گا بیگ بھی تم نے آخری بار کہاں رکھا تھا؟"
"پتہ نہیں مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔۔۔ جلدی سے کوئی حل بتاؤ مجھے بیگ میں موجود روپوں کی اتنی فکر نہیں ہے۔"
"میرے پاس الہ دین کا چراغ تھوڑی ہے۔ جسے حاضر کر کے تمہاری ہر مشکل آسان کر دوں۔"
"لائبہ پلیز یار کچھ کرو میں اس وقت سخت ڈپریس ہوں۔۔۔ میری ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔"
"اٹس اوکے تم یہ ٹسوے بہانا بند کرو میں علی سے بات کرتی ہوں شاید تمہاری اسائنمنٹ کے لیے کوئی ریفرنس مل جائے۔"
"یہ کسے پکارا جا رہا ہے۔" وہ کسی جن کی طرح اچانک نازل ہوا تھا۔
"شیطان کو یاد کر رہے تھے وہ تمہارے روپ میں حاضر ہو چکا ہے۔" لائبہ کی بات پہ ذایان کے ساتھ علی بھی کھسیانے انداز میں مسکرایا تھا۔
"آج تو مطلع صاف ہے پھر یہاں کیوں بوندا باندی ہو رہی ہے۔" ذایان نے اس کی آنکھوں میں چمکتے موتیوں کو دیکھ کر شریر لہجے میں دریافت کیا۔
"دراصل ایمان کا بیگ بمعہ اہم نوٹس کے گم ہو گیا ہے اسی کی یاد میں آنسو بہائے جا رہے تھے۔"
"ویری سیڈ یہ تو بہت برا ہوا۔۔۔ مس ایمان اپنی چیزوں کی حفاظت کرنا سیکھیے۔۔۔ آپ کے پاس نوٹس کی فوٹو کاپی تو ہو گی۔ مزید ایک فائل بنوا لیں۔"
"ذایان بھائی یہی تو پرابلم ہے ایمان نے نوٹس کی فوٹو کاپی نہیں کروائی۔"
لائبہ نے ایمان کو گھورا۔
"میں نے سارے نوٹس اکٹھے کر کے اسی لیے تو بیگ میں رکھے تھے کہ صبح آتے ہی فوٹو اسٹیٹ کروا لوں گی مگر۔۔۔"
"ایمان چیئر اپ آپ کو صبح نوٹس مل جائیں گے۔"
"چلو تمہارا مسئلہ تو حل ہوا۔" لائبہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ مارا۔۔۔ اب ہمیں کچھ کھلاؤ پلاؤ گی یا یونہی ٹرخانے کا ارادہ ہے۔
"آپ لوگ جانا چاہیں تو جائیں ہم دونوں کینٹین سے آ رہے ہیں۔" ذایان نے سہولت سے معذرت کر لی تھی۔
صبح جب اس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں قدم رکھا تو ذایان ستون سے ٹیک لگائے اسی کا منتظر تھا۔
"ایمان اپنے آنسوؤں کو کسی اچھے لمحے کے لیے سنبھال رکھیے یہ اتنے بے مول نہیں کہ آپ انہیں چھوٹی چھوٹی الجھنوں پہ بہائیں۔" نوٹس تھماتے ہوئے کچھ خاص تھا اس کے لہجے میں اس کی آنکھوں میں جسے نظر انداز کرنا ایمان کے لیے بہت مشکل تھا۔

☼ ☼ ☼

آسمان تو آج بھی نیلا تھا۔۔۔ ہوائیں تو آج بھی شوخ نہیں تھیں وہی چہرے اور وہی باتیں تھیں پھر اسے آج اپنا آپ بدلا ہوا کیوں لگ رہا تھا؟ وہ کیوں اپنے اندر ایک عجیب سی سرشاری محسوس کر رہی تھی؟ اسے کیوں موسم میں ڈھیروں رنگ نظر آ رہے تھے اسے کیوں فضاؤں میں ان کہے گیتوں کا مدھر ساز سنائی دے رہا تھا۔
رات ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اس نے بہت احتیاط سے نوٹس کھولے تو ذایان کی خوب صورت رائٹنگ میں امجد اسلام امجد کی نظم کا کچھ حصہ درج تھا وہ کتنی ہی دیر نوٹس پہ نظریں جمائے ایک بے مایہ لمحے کی زد میں آئی ہوئی تھی۔۔۔
"کیا محض کسی کا اچھا لگنا محبت ہے؟" اس نے خود سے پوچھا تھا مگر جواب نفی میں ملا تھا پھر محبت کیا ہے؟ وہ الجھ گئی۔
کسی کی ذات کو پرکھے بغیر ہی سوچنا۔
بے خواب رتوں کو کسی مہربان کے سپرد کر دینا۔

کسی ان دیکھے سپنے کی دید آنکھوں میں سجالینا۔
تپتی دھوپ کے صحرا میں کسی کی ٹھنڈی یاد کا بادل برسنے تک سوچتے رہنا' الجھتے رہنا اور جاگتے رہنا ہی محبت ہے تو یہ محبت ایمان کی سوچ کے دریچوں پہ دبی دبی ہنسی کی پائل بجاتی خوابوں کی جھیل میں اپنا عکس اتار کر نئے جذبوں سے آشنائی دے رہی تھی۔
سب کچھ تو طے شدہ تھا پھر اس کا نفس اتنا کمزور کیوں پڑ گیا تھا؟
بے بسی کی انتہا تو محبت کا پہلا قدم تھی اور فاصلے مٹانے کے لیے پہلا قدم اٹھانا بہت ضروری ہوتا ہے ۔۔۔ وہ تو خود طے شدہ فیصلوں کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی پھر محبت نے اپنی ہنسی کی پائل کیوں بجائی تھی؟ ان دیکھے سپنوں کی دید اس کی آنکھوں میں کیوں سما گئی تھی ۔۔۔ نئے جذبوں نے آشنائی دے کر اس کے خالی دل میں شمعیں کیوں جلائی تھیں۔
اس کیوں کا جواب ایمان کو کہیں سے نہ ملا ۔۔۔ وہ کئی دن تک سوچتی رہی' خود سے لڑتی رہی' الجھتی رہی مگر سمجھ کی ڈوری کا کوئی سرا بھی ہاتھ نہ آیا۔
اس کی اسائنمنٹ مکمل ہو گئی تھی لیکن ذہن بہت الجھ گیا تھا نگہت بیگم اس کی کیفیت کو جانچ رہی تھیں جب ہی تو صبح ناشتے کی میز پہ پوچھ رہی تھیں۔
"ایمان میں دیکھ رہی ہوں آج کل تم کسی الجھن کا شکار ہو کھانے میں تمہاری دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہے اور یونیورسٹی بھی نہیں جا رہیں ۔۔۔ سارا دن یونہی کمرے میں بند رہتی ہو ۔۔۔ کیا بات ہے بیٹا مجھے بتاؤ یہاں کوئی پرابلم تو نہیں ہے ناں؟"
نگہت بیگم نے چائے بنا کر کپ ایمان کی طرف بڑھایا۔
"نہیں چاچی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے وہ آج کل اپنا اسائنمنٹ مکمل کر رہی ہوں اسی کی فکر کھائے جا رہی ہے۔" وہ کچھ گڑبڑا سی گئی۔
"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا مگر یوں ہر وقت کتابوں میں سر دیے رہنا بھی تو اچھا نہیں ۔۔۔ کہیں گھوما پھرا کرو یہ تیمور بھی ۔۔۔ مجال ہے جو کبھی گھر میں ٹک جائے میں آج ہی اس کے کان کھینچتی ہوں ۔۔۔ اگر وہ کہیں لے کر نہیں جاتا تو کم از کم تمہیں ڈرائیونگ تو سکھا سکتا ہے۔"
نگہت بیگم تیمور سے سخت نالاں نظر آ رہی تھیں ایمان خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی خانساماں خالی برتن سمیٹ رہا تھا ۔۔۔ جب تیمور عجلت میں داخل ہوا۔
"یہاں کیا صبح ہی صبح گول میز کانفرنس ہو رہی ہے ۔۔۔" تیمور نے اورنج جوس سے بھرا گلاس اگلے ہی لمحے خالی کر کے ایمان کی حیرت میں اضافہ کیا۔
"تیمور کہاں جا رہے ہو؟"
"ممی مجھے دیر ہو رہی ہے واپسی پہ بات ہو گی۔"
"تیمور تم فی الحال کہیں نہیں جا رہے۔" نگہت بیگم نے اس کے ہاتھ سے بائیک کی چابی چھین لی۔
"پلیز ممی میں نے کسی فرینڈ کو ٹیم میں ٹائم دے رکھا ہے۔"
"جانتی ہوں میں تم نے کسے ٹائم دے رکھا ہے۔"
"ممی اگر آپ جانتی ہیں تو اپنے لیکچر کا سلسلہ موقوف کر دیں میں پندرہ منٹ لیٹ ہو چکا ہوں ۔۔۔ بقول آپ کے وقت کی قدر کرنی چاہیے۔" ایمان کی موجودگی میں نگہت بیگم کو خاصی سبکی ہو رہی تھی۔
"بھاڑ میں جاؤ میری بلا سے۔" اسپورٹس ہیوی بائیک کی چابی میز پہ پٹختے ہوئے وہ واک آؤٹ کرتی ہوئی باہر نکل گئیں۔
"تیمور کیوں تنگ کرتے ہو تم ۔۔۔ جانتے ہو کتنا دکھ ہوتا ہو گا انہیں۔"
"دکھ تو مجھے بھی اس وقت ہوتا تھا جب ممی اور پاپا مجھے آیا کے حوالے کر کے خود کسی ڈنر پارٹی میں چلے جایا کرتے تھے ۔۔۔ جانتی ہو رات کو آیا کے خراٹے خوف بن کر مجھے سونے نہیں دیا کرتے تھے ۔۔۔ اور میں ساری رات تکیے میں منہ دے کر اپنی سسکیاں دبایا کرتا تھا۔ تم نہیں سمجھو گی ایمان یہ ممی اور پاپا کے اس مکمل کا ردعمل ہے جو ۔۔۔ اپنی وے مجھے دیر ہو رہی ہے ۔۔۔" تیمور جس عجلت میں آیا تھا اسی تیزی سے جا بھی چکا تھا اور وہ بیٹھی سید ہاؤس کے وحشت زدہ ماحول میں پروان چڑھنے والے اکلوتے سپوت کی بکھری ہوئی شخصیت پہ

کف افسوس مل رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اف اس بارش کو بھی آج ہی برسنا تھا ۔۔۔ اس نے تقریباً" بھاگتے ہوئے اپنا بیگ دوپٹے میں چھپا کر بے دلی سے سوچا تھا اسے ہر حال میں آج یہ اسائنمنٹ جمع کروانا تھا ورنہ اس خراب موسم میں گھر سے نکلنے کی زحمت وہ کبھی نہ کرتی۔
ثانیہ اور لائبہ دونوں ہی غیر حاضر تھیں وہ بھی سوچ رہی تھی کہ اسائنمنٹ جمع کروا کر واپس چلی جائے سیاہ بادلوں کے ٹکڑے آسمان کی وسعتوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔
"ہیلو ایمان کیسی ہیں آپ؟"
اسٹوڈینٹس کلاسز سے نکل رہے تھے جب اسے عقب سے مانوس سی آواز نے پکارا تھا۔
"آپ کو کیسی لگتی ہوں؟" اس کا جی چاہا کہ وہ ذایان سے پوچھے لیکن اس کی سوچ اظہار کرنے سے قاصر تھی۔
"اتنے دنوں سے آپ کو دیکھا نہیں تو یوں لگتا ہے جیسے وقت تھم گیا ہو ۔۔۔ ایک ایک لمحہ اتنا طویل ہو سکتا ہے میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔
"آپ کو میرا انتظار تھا۔" اس نے بے یقینی سے پلکیں اٹھائیں ۔۔۔
"انتظار کیا ہوتا ہے جانتی ہو تم؟" ذایان نے اس کے سجل مکھڑے پہ لجی حیران آنکھوں میں حیرت دیکھی۔
"مم ۔۔۔ میں چلتی ہوں بارش تیز ہو رہی ہے۔"
"اور جو میرے من کی سوکھی دھرتی تمہارے اقرار کی بوندوں کو ترس رہی ہے؟" وہ سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے گمبھیر لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کے کھلے اظہار پہ ایمان گنگ ہو گئی تھی ۔۔۔ بابا اور بے جی کا مان تھا چاچا اور چاچی کی والہانہ محبت میں چھپے ہوئے رشتے کا تقاضا تھا جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتی تھی وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھی۔
"ایمان زندگی محبت کے بغیر بہت بے رنگ ہے جب سے تمہیں دیکھا ہے یوں لگتا ہے جیسے ۔۔۔" اس کی دھیمی آواز کا طلسم ایمان کو واپس کھینچ لایا۔
"ذایان یہ ممکن نہیں ہے۔" اس نے بات کاٹتے ہوئے رخ موڑ لیا۔
"مگر کیوں؟" وہ تیزی سے اس کے مقابل آیا۔
"میں انگیجڈ ہوں۔"
وہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکا تھا۔
"صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں اس انگیجمنٹ میں تمہاری رضامندی شامل ہے؟"
"میری رضامندی سے کیا ہوتا ہے؟ ہمارے ہاں لڑکیوں کی رضامندی نہیں پوچھی جاتی بھیڑ بکریوں کی طرح انہیں کھونٹے سے باندھ دیا جاتا ہے۔"
"ایمان یہ تو سراسر ظلم ہے جو تم اپنے ساتھ ہی نہیں بلکہ میرے ساتھ بھی کرو گی ۔۔۔ کیا تمہیں ان آنکھوں میں محبت کا کوئی عکس نظر نہیں آتا؟" ایمان نے ایک پل کے لیے نظریں اٹھائیں اس کی نیلی آنکھوں میں اضطراب ہلکورے لے رہا تھا۔
"ذایان میں ایک ایسی فیملی سے تعلق رکھتی ہوں جہاں لڑکیوں کی زندگی کا ایک ایک لمحہ طے شدہ ہوتا ہے کچھ نہیں ہے میرے اختیار میں۔" دکھ سے اس کی آواز لرز گئی۔
"تم عاقل و بالغ ہو اپنی زندگی کا فیصلہ کر سکتی ہو آخر کب تک طے شدہ فیصلوں کی بھینٹ چڑھتی رہو گی ۔۔۔ ایمان مجھے صرف اتنا معلوم ہے میں تمہیں کبھی بھول نہیں پاؤں گا ۔۔۔ لیکن تم خود اپنے آپ کو سزا دے رہی ہو کسے دھوکا دو گی تم؟ مجھے اپنے منگیتر کو یا خود کو؟"
بارش بہت تیز ہو گئی تھی باہر بھی اور اس کے اندر بھی اس سے پہلے کہ وہ مزید اسے قائل کرتا ایمان آنکھوں میں اترتی نمی کو چھپاتے ہوئے بولی۔
"باہر ڈرائیور میرا انتظار کر رہا ہو گا۔"
"اور مجھے تمہارا کب تک انتظار کرنا ہو گا۔" اس

نے ذایان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

"ایمان مرتضیٰ ہاشمی تمہیں حاصل کرنا میری مجبوری بن گئی ہے میں دیکھتا ہوں تم کب تک مجھ سے نظریں چراتی ہو۔" اس کے جانے کے بعد ذایان نے بڑبڑاتے ہوئے سر جھٹک دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ممی میں کچھ دنوں کے لیے تاؤ جی کے پاس گاؤں جانا چاہتا ہوں۔" تیمور نے گویا اطلاع دی۔

"یہ اتنی اچانک گاؤں جانے کا پروگرام کیسے بنا لیا تم نے؟"

نگہت بیگم ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی چہرے پہ نائٹ کریم لگا رہی تھیں۔

"ممی آپ جانتی تو ہیں کہ میرے پروگرامز بنتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔۔۔ آپ بس پاپا سے کہیں میں نے شوروم میں ایک سی جے سیون جیپ پسند کر لی ہے اس کی پے منٹ کر دیں میں اسی جیپ میں گاؤں جانا چاہتا ہوں۔"

"ڈونٹ وری میری جان تم نے کہا اور سمجھو تمہارے پاپا نے مان لیا۔"

"تھینک یو گریٹ ممی۔۔۔" تیمور نے انہیں شانوں سے تھام کر گھما ڈالا۔

صبح جب وہ سو کر اٹھا تو پورچ میں ریڈ کلر کی نیو ماڈل جیپ اس کی خوشی میں اضافے کے لیے موجود تھی مصطفیٰ ہاشمی اور نگہت بیگم قدرے مطمئن ہو گئے تھے ایمان کو تیمور کے جانے کا علم ہوا تو وہ بلا جھجک اس کے بیڈ روم میں چلی آئی۔

"تیمور چاچی بتا رہی تھیں تم گاؤں جا رہے ہو۔"

وہ سی ڈیز اکٹھی کر رہا تھا "ہاں کل صبح جانے کا ارادہ ہے۔"

"تیمور تمہیں اگر گاؤں جانا تھا تو کم از کم جانے سے ایک آدھ دن پہلے مجھے بتا دیا ہوتا میں میرال کے لیے کچھ بھجوا دیتی۔"

"وہ تو تم اب بھی بھجوا سکتی ہو۔"

"تو پھر اگر تم فارغ ہو تو پلیز میرے ساتھ لبرٹی تک چلو۔ میں میرال کے لیے کچھ ڈریسز بھجوا دوں ورنہ وہ تو کبھی مجھ سے فرمائش نہیں کرے گی۔ تیمور تم چل رہے ہو ناں۔۔۔ میرے ساتھ۔"

"بھئی ظاہر ہے پاپا کی لاڈلی بھتیجی کا حکم تو ماننا ہی پڑے گا مگر میری بھی ایک شرط ہے۔" تیمور نے والٹ اور کی چین اٹھائی۔

"کیسی شرط؟"

"یہی کہ ڈرائیونگ تم کرو گی۔"

"توبہ کرو مجھ سے تمہاری جیپ کبھی نہیں چلے گی۔"

"ممی کی گاڑی کس دن کام آئے گی۔"

"مگر تیمور میں نے ابھی کمپلیٹ ڈرائیونگ سیکھی ہی کب ہے۔"

"تم گاڑی چلاؤ گی تو سیکھو گی ناں۔۔۔ اور ویسے بھی میں تمہارے ساتھ ہوں۔۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔"

"تم بس مرواؤ گے مجھے۔"

"میں جو پچھلے دو ہفتے سے تمہارے ساتھ دماغ کھپا رہا ہوں یوں سمجھو کہ آج تمہارا امتحان لیا جا رہا ہے۔۔۔ نمبر میں اپنی مرضی سے دوں گا۔"

"چلیں دیکھتے ہیں میں اس امتحان میں کہاں تک کامیابی حاصل کرتی ہوں۔" ایمان نے ڈرتے ڈرتے ڈرائیونگ سیٹ تو سنبھال لی تھی مگر اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سامنے سے آنے والی ہر گاڑی اسے کچلنے کے لیے آ رہی ہو۔

"ایمی تم جب تک اپنے حواس قابو میں نہیں رکھو گی تب تک تم ڈرائیونگ نہیں کر سکتیں۔" تمام راستے وہ ایمان کو چھوٹی چھوٹی ہدایات دیتا رہا۔۔۔ جب گاڑی اس نے بوتیک شاپ کے باہر لگائی تو تیمور نے سکھ کا سانس لیا۔

"یہ ایڈونچر سفر مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔" اس کا انداز متبسم و شریر تھا۔

"اب واپسی پہ گاڑی تم چلاؤ گے۔" ایمان نے اسے باور کروایا کیونکہ وہ سخت شرمندہ ہو رہی تھی۔

"یقیناً" میں ہی چلاؤں گا کیونکہ میں ابھی موت کے فرشتے کو زحمت نہیں دینا چاہتا۔" تیمور اس پہ طنزیہ مسکراہٹ اچھال کر میل کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

ایمان نے میرال کے لیے دو تین سوٹ پیک کروا لیے۔

"ایمی اتنے آؤٹ آف فیشن ڈریسز خرید رہی ہو؟ تمہاری فضول چوائس کا اندازہ مجھے آج ہو رہا ہے۔"

ایمان نے کرتا پاجامہ پیک کروایا تو تیمور نے اپنی ناواری کا اظہار کر ہی ڈالا۔۔۔

"تم نہیں جانتے میرو کی چوائس ایسی ہی ہے۔"

"پھر تو اسے سو سال پہلے پیدا ہونا چاہیے تھا۔"

"ڈونٹ بی اسٹوپڈ تیمور۔۔۔ اس جیسی نفیس لڑکی تمہیں پوری دنیا میں نظر نہیں آئے گی۔" ایمان نے اسے ڈپٹا۔

"پھر تو موصوفہ سے ملنا ہی پڑے گا۔" اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا تھا اسی لیے ایمان اس کا جملہ نہیں سن سکی تھی واپسی پہ تیمور نے گاڑی ایک آئس کریم پارلر کے سامنے روک لی۔

"تیمور رات کے گیارہ بج رہے ہیں ہمیں فوراً گھر جانا چاہیے۔"

"تم آج بھی اس فرسودہ ماحول سے باہر نہیں نکل سکیں یار انجوائے کرنا سیکھو یہ گاؤں نہیں شہر ہے یہاں راتیں جاگتی ہیں لوگ جتنا کماتے ہیں اس سے ڈبل خرچ کرتے ہیں۔"

"کیا میں تمہاری اس تقریر کی وجہ جان سکتی ہوں۔" ایمان نے تیکھے لہجے میں پوچھا تھا۔

"تاکہ تم میرے ساتھ آئس کریم کھا سکو۔۔۔" تیمور نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"اگر میرا موڈ نہ ہو تو۔۔۔"

"تو میں زبردستی کا حق رکھتا ہوں۔۔۔" ایمان اس کے جملے پہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔۔۔ مزید موڈ تب خراب ہوا جب وہ تیمور کے مقابل بیٹھی بے دلی سے آئس کریم کھا رہی تھی۔۔۔ اور ذایان اسے دیکھ کر تیزی سے چیئر دھکیل کر باہر نکل گیا تھا۔۔۔ ایمان کی متوحش نظروں نے دور تک اسے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

تیمور کی جیپ سڑک سے اتر کر کچے راستوں پہ آئی تو دھول اور غبار کے مرغولے سے اڑنے لگے۔۔۔ اس نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔

سنہری اینٹوں والی حویلی دور ہی سے اپنی شان و شوکت کا پتہ دے رہی تھی۔۔۔ سرسوں کے کھیت دیکھ کر یوں گماں ہوتا جیسے گاؤں کی کسی مٹیار نے اپنا زرد آنچل پھیلا دیا ہو کھیتوں میں ہاری کام کر رہے تھے۔۔۔ پیپل کے درخت تلے بیٹھا چرواہا جیپ کو دیکھ کر اپنی بکریوں کے ریوڑ کو راستے سے ہٹانے لگا۔

پگڈنڈی پہ سینت سینت کر قدم رکھتی ہوئی عورتیں جو کھانا لے کر کھیتوں کی طرف جا رہی تھیں اپنے دوپٹوں سے چہرے ڈھانپ کر غور سے جیپ میں بیٹھے شخص کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھیں مگر دھول اڑاتی جیپ آگے بڑھ گئی تھی حویلی کا بڑا سا آہنی گیٹ کھول دیا گیا تھا۔۔۔ اس کی جیپ جونہی حویلی میں داخل ہوئی۔۔۔ پورچ میں اسے مرتضیٰ ہاشمی حاکم دین کے ساتھ نظر آئے۔۔۔ برآمدے میں رانی بی کی جھلک بھی دکھائی دی۔۔۔ تیمور کے ہونٹ مسکرائے۔

"سلام تاؤ جی کیسے ہیں آپ؟" تیمور ان سے گلے ملتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے آنے سے لگتا ہے بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"یہ ہوئی نا بات تائی ماں کہاں ہیں۔"

"میں صدقے جاؤں میرا پتر آج کتنے ورے (سال) کے بعد یہاں آیا ہے۔۔۔ میری ایک بات سن لے میں اب تجھے اتنی جلدی نہیں جانے دوں گی۔"

"تائی ماں آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔" رانی بی نے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر خوب پیار کیا۔

"او نیک بخت کیا سارا دن یہیں دالان میں گزارنے کا ارادہ ہے اتنی دور سے سفر کر کے آ رہا ہے۔"

مرتضیٰ ہاشمی نے انہیں ٹوکا۔
"چل پتر یہ بتا کیا پیے گا چائے یا ٹھنڈا۔"
"تائی ماں اپنے ہاتھوں سے کچھ بھی بنا کر پلا دیں میں فریش ہو جاؤں گا۔"
رانی بی نے اس کے کندھے پہ ہلکی سی چپت لگائی اور کچن کی طرف بڑھ گئیں۔۔۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ آم کا جوس لیے موجود تھیں۔
"پتر میں نے تیرے لیے کمرہ سیٹ کروا دیا ہے جتنی دیر میں کھانا بنتا ہے تو بھی آرام کر لے۔"
"ہاں بیٹا تمہاری تائی ٹھیک کہہ رہی ہیں تم فریش ہو جاؤ میں جب تک دیوان خانے سے ہو آؤں۔۔۔ ساتھ والے گاؤں کا منشی چوہدری اصغر کا پیغام لے کر آیا ہوا ہے۔"
"تاؤ جی فی الحال میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ بھرپور نیند لوں گا البتہ کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں گے۔"
"کیوں نہیں بیٹا میں تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں۔"
مرتضیٰ ہاشمی دیوان خانے کی جانب بڑھ گئے۔۔۔ تو وہ بھی تائی ماں کے بتائے ہوئے کمرے کی طرف چلا آیا۔۔۔ اس کی اچانک آمد پہ بیڈ شیٹ کی سلوٹیں درست کرتی میرال نے گھبرا کر رخ موڑا تھا۔
سلو نے مکھڑے پہ سجی گہری سیاہ آنکھوں میں عجیب کشمکش تھی اس کی مخروطی انگلیوں نے چٹیا سے نکلی آوارہ زلفوں کو جلدی سے کان کے پیچھے اڑسا اور باہر نکلنے کے لیے قدم بڑھا دیے پائل نے مدھر ساز بجا کر تیمور کے ساکت وجود کو حرکت دی۔۔۔ اس نے پلٹ کر دیکھا مگر وہ جا چکی تھی اس پہ پہلی بار یہ حقیقت آشکار ہوئی تھی کہ آنکھیں صرف دیکھتی ہی نہیں بولتی بھی ہیں تھوڑی دیر پہلے تک آنے والی نیند کا غلبہ غائب ہو گیا تھا تیمور چینج کیے بغیر ہی بیڈ پہ لیٹ گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھی اسے دوبارہ دیکھنے کی ہمک کم نہیں ہو رہی تھی اور سوچیں تھیں کہ گڈمڈ ہو رہی تھیں وقت گزرنے کا احساس اس وقت ہوا جب دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی جس کا مطلب یہ تھا کہ کھانا لگ چکا ہے اس نے جلدی سے واش روم میں جا کر اپنے چہرے پہ پانی کے چھینٹے مار کر خود کو فریش کرنے کی کوشش کی۔۔۔ ٹاول سے چہرہ خشک کرنے کے بعد وہ باہر آ گیا ڈائننگ ہال میں مرتضیٰ ہاشمی پہلے سے موجود تھے تائی ماں بھی مرغ پلاؤ کی ڈش ٹیبل پہ رکھ کر بیٹھ چکی تھیں۔
"تیمور بیٹا تمہاری نیند پوری ہوئی یا نہیں۔"
"کہاں تاؤ جی ایک لمحے کے لیے بھی آنکھ نہیں لگی۔"
"کیوں بیٹا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"
"کچھ دیر پہلے تک تو ٹھیک تھا۔"
"میرے پتر کو لگتا ہے میری نظر لگ گئی ہے۔"
رانی بی نے اپنی فکرمندی ظاہر کی۔
"تائی ماں آپ بھی سدا کی بھولی ہیں محبت کرنے والوں کی نظر نہیں لگا کرتی کیوں تاؤ جی۔۔۔؟" مرتضیٰ ہاشمی تائیدی انداز میں مسکرائے۔
"چل پتر کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" تیمور نے ٹیبل پہ نگاہ دوڑائی "تائی ماں آپ نے اتنا کچھ بنوا لیا کون کھائے گا یہ سب؟" چاول اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے وہ بولا۔
"پتر یہ سارے کھانے میرال نے اپنی نگرانی میں بنوائے ہیں' میرو دھیے کہاں ہو بھائی کے لیے کباب لاؤ۔"
"P بھی لائی بے جی۔"
ایک مترنم سی آواز جالی کے سفید پردوں کے عقب سے سنائی دی اور پائل کا مدھر ساز اس کے ہر قدم کے ساتھ خاموش فضا میں ایک دھیما سا گیت بن کر گنج اٹھا تیمور لاشعوری طور پہ ایک بار پھر تھم گیا نظروں نے بے اختیار اسے دیکھنے کی خواہش کر ڈالی۔
سفید چوڑی دار پاجامے اور پرنٹڈ انگرکھے پہ بڑا سا سفید دوپٹہ سر تک پھیلائے وہی تھی۔
اس نے پلیٹ تیمور کے سامنے رکھی تو کلائیوں میں پڑی سفید کانچ کی چوڑیاں بج اٹھیں۔ تیمور نے نظروں کا زاویہ بدلا لمبی لمبی مخروطی انگلیوں کی پوروں پہ لگی مہندی کے رنگ نے اس کے ہاتھوں کو مزید خوب صورتی بخش رکھی تھی۔

"میرال بیٹا بیٹھو کھانا نہیں کھاؤ گی۔۔۔" مرتضیٰ ہاشمی کی آواز نے طلسم کو توڑا تو وہ بھی سنبھل کر کھانا کھانے لگا۔
"نہیں بابا صاحب آپ لوگ کھائیں مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں کہہ کر واپس پلٹ گئی۔۔۔ تیمور نے ایک بار پھر نظریں اٹھائیں۔
اس کی لمبی سیاہ چوٹی میں کہیں کہیں موتیے کے پھول اٹکے ہوئے تھے۔۔۔ خوبصورت منظر ایک بار پھر بدل گیا تھا۔
"تیمور پتر تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا دیکھ تو ساری چیزیں یونہی پڑی ہیں۔"
"تائی ماں بالکل بھی گنجائش نہیں ہے" تیمور کو ان کا اپنائیت بھرا انداز بہت اچھا لگا۔
کھانے کے بعد سید مرتضیٰ اسے اپنے ساتھ گول کمرے میں لے آئے ایزی چیئر پہ دھیرے دھیرے جھولتے ہوئے تیمور ان کی باتوں کا جواب غائب دماغی سے دے رہا تھا۔
"تمہاری تائی بھی جانے کس کام میں الجھی ہوئی ہیں میں جا کر دیکھتا ہوں ابھی تک چائے نہیں بنی۔" مرتضیٰ ہاشمی چھڑی پہ دباؤ ڈال کر اٹھے۔
"پتہ نہیں اسے دیکھ کر میرے دل کی کیفیت کیوں بدل جاتی ہے۔" تیمور ان کے جانے کے بعد خود کلامی کے انداز میں بولا اور کچھ لمحے یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے دفعتاً" اس خاموشی کو پائل کی مدھم آواز نے توڑ دیا۔
"چائے۔" اس نے پیالی بڑھائی۔
"تھینکس۔" تیمور نے بھاپ اڑاتی چائے کی پیالی اس کے ہاتھ سے لے لی۔۔۔ وہ واپس پلٹ رہی تھی۔
"سنیے پلیز۔"
تیمور کے ہونٹوں کی جنبش نے اسے رکنے پہ مجبور کیا۔
"ایمان نے آپ کے لیے کچھ گفٹس بھجوائے تھے آپ کو کیسے لگے؟" تیمور نے گفتگو کا جواز ڈھونڈا۔
"مجھے اس کے بھجوائے گفٹس سے زیادہ اس محبت نے متاثر کیا جس نے ایمان کو میرے لیے کچھ خریدنے پہ مجبور کیا، آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو آپ بلا تکلف کہہ سکتے ہیں۔"
تیمور نے چائے کی پیالی لبوں سے لگائی۔ مگر سماعت بہت دیر تک اس کے جاتے قدموں کی آواز سنتی رہی تھی۔

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں

"مجھے کیوں ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ برسوں سے کہیں میرے اندر آباد تھی اور۔۔۔ اور آج وہ میرال کے روپ میں میرے سامنے آ گئی ہو۔"
تیمور یہ جان گیا تھا وہ بلاوجہ گاؤں نہیں آیا ایک میٹھی سی سوچ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

خزاں کے ستائے ہوئے درختوں کی زرد ٹہنیاں ہرا چولا پہن رہی تھیں صبح کاذب کا احساس چرند پرند کو رب تعالیٰ کی حمد و ثناء پر اکسا رہا تھا۔
مشرق کی سمت آسمان کی وسعتوں پہ نارنجی رنگ کی ہلکی ہلکی لکیریں سورج طلوع ہونے کا پتہ دے رہی تھیں۔
وہ ان لکیروں کو پھیلتا ہوا دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ درختوں کی تنی ہوئی چادر کی اوٹ سے ایک زرد اور سرخ رنگ کا گولا سا نمودار ہوا اور پھر اس گولے کی چمکدار کرنوں نے پورے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا طلوع سورج کا نظارہ بھی عجیب دلکشی لیے ہوئے تھا وہ دیر تک رب تعالیٰ کی اس نشانی کو دیکھتا رہا۔
"صاحب ناشتا لگ گیا ہے۔"
کسی ملازمہ نے دستک دے کر اپنا روٹین کا جملہ دہرایا اور واپس لوٹ گئی۔۔۔ تیمور سلیپنگ ڈریس میں ہی چلا آیا میرال نوری کے ساتھ ناشتے کے

لوازمات سجا رہی تھی۔ مرتضیٰ ہاشمی اخبار کے مطالعے میں غرق تھے جبکہ رانی بی ابھی شاید کچن میں مصروف تھیں۔

"گڈ مارننگ تاؤ جی۔" اس نے فریش لہجے میں بیٹھتے ہوئے کہا تو مرتضیٰ ہاشمی نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

"بیٹا رات کیسی گزری؟ آئی مین تمہاری نیند پوری ہوئی؟"

"کہاں تاؤ جی گاؤں آکر تو مجھے لگتا ہے میری نیند ہی اڑ گئی ہو۔" اس نے اچٹتی سی نگاہ میرال پہ ڈالی۔

ہلکے سے سبز کاٹن کے سوٹ میں اس کی گندمی رنگت دمک رہی تھی۔۔۔ خمار آلود آنکھوں کی لمبی گھنی پلکوں نے رخساروں پہ سایہ ڈال رکھا تھا۔۔۔ اس نے بمشکل نظریں ہٹائیں۔

"کیوں بیٹا کیا بات ہے اگر بیڈ روم میں تمہیں ٹھیک طرح سے نیند نہیں آرہی تو میں تمہاری تائی سے کہہ کر تمہارا کمرہ چینج کروا دیتا ہوں حویلی میں بیڈ رومز کی کمی نہیں ہے۔"

"نہیں تاؤ جی میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا ابھی کل ہی تو آیا ہوں یہاں رہوں گا تو عادت بھی ہو جائے گی۔"

"یہ ہوئی بات! ویسے میں نے حاکم سے کہہ دیا ہے وہ تمہارے لیے آج شکار کا تمام بندوبست کر دے گا۔"

"تاؤ جی آپ فی الحال ایسا کوئی پروگرام نہ بنائیں میں ابھی گاؤں کی خوب صورتی کو بھرپور طریقے سے محسوس کرنا چاہتا ہوں۔" اس کی نگاہوں نے ایک بار پھر میرال کا طواف کیا تھا مگر اب اس نے ڈائننگ ہال سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"تیمور بیٹا تم ناشتا کرو میں فارم ہاؤس جا رہا ہوں تم بھی فارغ ہو کر وہیں آجانا۔"

"تاؤ جی آپ کا ڈائمنڈ ہورس کیسا ہے۔"

"یار جب تم اس پہ رائیڈنگ کرو گے تو مزہ دوبالا ہو جائے گا رات مصطفیٰ کا فون آیا تھا کہہ رہا تھا کہ وہ یہ گھوڑا ہوم سیکرٹری کو گفٹ میں دینا چاہتا ہے۔"

"تاؤ جی یہ آپ کا وہی گھوڑا ہے نا جو آپ نے گزشتہ برس آسٹریلیا سے منگوایا تھا۔"

"دور رہ کر بھی سب خبر رکھتے ہو۔" مرتضیٰ ہاشمی نے اس کی یادداشت کو سراہا۔

"بیٹا تم فیکٹری کیوں نہیں سنبھال لیتے۔"

"پاپا مجھے کسی قابل نہیں سمجھتے۔"

"نہیں بیٹا ایسی بات نہیں ہے مصطفیٰ چاہتا ہے کہ تم ذمہ داری کا ثبوت دو وقت کا گھوڑا بہت بے لگام ہو گیا ہے ہر کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔۔۔ والدین تو یہی چاہتے ہیں کہ ان کے بچے ایک کامیاب زندگی گزاریں۔۔۔ بیٹا تم ماشاء اللہ نوجوان ہو اور بیٹے تو باپ کے بازو ہوتے ہیں مصطفیٰ کو تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"تاؤ جی آپ کو ایک سیاست دان کی طرح قائل کرنے کا فن آتا ہے آپ دوبارہ سیاست میں کیوں نہیں آجاتے حالانکہ آپ کو وزارت کی آفر بھی ہو چکی ہے۔" تیمور نے بڑی خوب صورتی سے گفتگو کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔

"میری جان سیاست دان سیاست سے نکل کر بھی سیاست سے الگ نہیں ہو سکتا لیکن اب دل اچاٹ ہو گیا ہے تھک گیا ہوں کسی حاصل کی خواہش نہیں رہی ذہن گزرے ہوئے کل کو بھول جانا چاہتا ہے کاش بھولنا آسان ہوتا تو آج بڑھنے والا دل کا بوجھ اتنا زیادہ نہ ہوتا۔" چھڑی کے سہارے کھڑے سید مرتضیٰ ہاشمی اسے بہت کمزور اور برسوں کے بیمار دکھائی دیے۔

"تاؤ آپ تھکنے کی باتیں مت کیا کریں میں ہوں نا آپ کا بیٹا۔" تیمور نے ان کے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے اپنائیت سے تسلی دی۔

"خوش رہو بیٹا تمہارے آنے سے میں خود کو ایک تناور درخت کی طرح مضبوط محسوس کر رہا ہوں۔" انہوں نے نم آنکھوں سے تیمور کو دیکھا۔

فارم ہاؤس میں دن بہت اچھا گزرا تھا تیمور نے خوب رائیڈنگ کا شوق پورا کیا تھا۔۔۔ دوپہر کا کھانا اس نے وہیں تاؤ کے ساتھ کھا لیا تھا۔۔۔ اصطبل میں

گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے الگ سے نوکر تھے انہیں مرتضیٰ ہاشمی گاہے بگاہے ہدایات دے رہے تھے۔

"تیمور کیا خیال ہے واپس حویلی جانا چاہیے یا تم ابھی رکنا چاہتے ہو۔۔۔"

"تاؤ واپس چلتے ہیں تائی ماں انتظار کر رہی ہوں گی۔" تیمور نے گھوڑے کی نکیل قریب کھڑے ملازم کو تھمائی۔

سلونی شام چپکے چپکے اپنے بازو پھیلا رہی تھی اور سورج کی کرنیں سمٹ کر مغرب کی گود میں چھپنے کو بے تاب ہو رہی تھیں زرق کی تلاش میں نکلے ہوئے پرندے واپسی کے لیے پر تول رہے تھے گاؤں کی کھلی فضاؤں میں سانس لینے کا احساس بہت فرحت انگیز تھا ایسے میں دور کہیں سے سنائی دیتی ہوئی چکی کی آواز میں عجیب سی کشش محسوس ہو رہی تھی۔

فارم ہاؤس سے حویلی تک کا راستہ محض دس منٹ کا تھا جاتے سورج کی جھٹپٹی کرنوں نے حویلی پہ سنہری آنچل پھیلا رکھا تھا درختوں کے گھنے جھنڈ پہ چڑیاں شور مچاتی ہوئی یہاں سے وہاں اڑتی دکھائی دے رہی تھیں۔۔۔ تیمور نے زندگی کو جاگتے اور سوتے ہوئے پہلی بار دیکھا تھا۔۔۔ گاڑی ڈرائیوے سے ہو کر پورچ میں رک گئی۔

دالان میں میرال نے جلدی سے ہارڈی اور اینی بل میکاڈو کے ناول سمیٹے۔

"سلام بابا صاحب۔"

"وعلیکم سلام بھئی کیا پڑھا جا رہا تھا۔"

"وہ بابا صاحب ایمان اپنی کچھ کتابیں یہیں چھوڑ گئی تھی فراغت میں آج کل وہ کتابیں زیر مطالعہ ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے اگر مزید کتابوں کی ضرورت ہو تو میرے کمرے کی بک ریک حاضر ہے۔"

"تھینک یو بابا صاحب آپ بیٹھیے میں چائے بنا کر ابھی لائی۔"

"جیتی رہو بیٹا یہ جو تم نے مجھے اپنے ہاتھ کی چائے پینے کی عادت ڈال رکھی ہے تمہارے جانے کے بعد تو تمہارے بابا مشکل میں پڑ جائیں گے۔" مرتضیٰ ہاشمی نے شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پہ رکھا۔

"میں بھلا آپ کو چھوڑ کر کیوں جاؤں گی؟"

"بیٹا جب چڑیوں کے پر نکل آئیں تو انہیں گھونسلہ چھوڑنا پڑتا ہے۔"

"بابا صاحب آپ ایسی باتیں مت کیا کریں میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔" تیمور اس کے نروٹھے سے انداز کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"آگیا میرا پتر۔" رانی بی نے آگے بڑھ کر تیمور کے کندھے پہ پیار دیا۔

"نیک بخت تیمور کے علاوہ بھی یہاں کوئی کھڑا ہے۔" مرتضیٰ ہاشمی کے احتجاجی جملے پہ تیمور ہنسا۔

"لو بھلا آپ کو کون بھول سکتا ہے۔" رانی بی کی سادگی پہ میرال مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"تیمور بیٹا تم کچھ دیر آرام کر لو تمہاری چائے میں تمہارے بیڈ روم میں بھجوا دوں گا۔" سید مرتضیٰ نے قریبی صوفے پہ بیٹھتے ہوئے رسان سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔۔۔ ہر چیز سلیقے سے رکھی گئی تھی حالانکہ صبح جب وہ فارم ہاؤس جانے کے لیے نکلا تھا تو کمرے میں اس کی شرٹس، موزے اور شوز ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے گلدان میں سجے تازہ پھولوں کی مہک پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی تیمور نے شاور لینے کے بعد چینج کیا اور بیڈ پہ بیٹھ کر بیگ سے سی ڈیز نکالنے لگا۔ بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر سی ڈیز رکھنے کے بعد اس نے دوبارہ بیگ الماری میں رکھ دیا دفعتاً اس کے پاؤں سے کوئی چیز مس ہوئی۔۔۔ تیمور نے جھک کر دیکھا تو وہ میرال کی پائل تھی اس کے ہونٹ ایک نامعلوم سی خوشی سے مسکرا اٹھے۔

"تو کیا وہ کچھ دیر پہلے یہاں موجود تھی؟" اس کی بے ساختہ نگاہوں نے گلدان میں سجے تازہ پھولوں کو دیکھا۔

میں تیرگی میں محبت کی اک کہانی ہوں
کوئی چراغ سا عنوان میری تلاش میں ہے

دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔
"یس کم آن۔۔۔"
میرال ہاتھوں میں چھوٹی سی ٹرے لیے اندر آئی۔
"بابا صاحب نے کہا کہ آپ کی چائے آپ کو کمرے میں ہی دے آؤں۔" اس نے احتیاط سے ٹرے ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا تھا۔
"ارے یہ یہاں کیسے؟" تیمور کی ہتھیلی پہ اپنی پائل دیکھ کر وہ حیران سی آگے بڑھ آئی۔
"مجھے پتہ ہی نہیں چلا اور یہ یہاں گر گئی۔" میرال نے اس کی ہتھیلی سے پائل اٹھانا چاہی۔ مگر اگلے لمحے اس کا ہاتھ تیمور کی گرم ہتھیلی میں تھا میرال نے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا لیکن اس کی گرفت خاصی مضبوط تھی۔
"تمہارے ہاتھوں پہ سجا ہوا مہندی کا یہ رنگ کتنا اچھا لگتا ہے اور یہ کلائیوں میں سجی ہوئی چوڑیاں دیکھ کر میرا جی چاہتا ہے کہ۔۔۔" اس سے پہلے میرال کے ہاتھ پہ اس کے ہونٹ اپنا احساس چھوڑتے اس نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ کھینچا اور تقریباً" بھاگتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی حواس معطل ہو رہے تھے اور دل کی تیز ہوتی دھڑکن سے سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے رونما ہونے والے اس کچے لمحے کو کیا سمجھے؟
رات کے کھانے اور صبح ناشتے پہ اس نے ڈائننگ ہال میں جانے سے گریز کیا تھا۔۔۔ جب تک وہ فارم ہاؤس روانہ نہیں ہو گیا میرال باہر نہیں آئی تھی مرتضیٰ ہاشمی کی طبیعت ناساز تھی وہ آج حویلی میں ہی تھے۔
صبح سے شام ہوتے دیر ہی کتنی لگتی ہے مصروفیت نے وقت گزرنے کا احساس نہیں دلایا تھا۔
تیمور جب فارم ہاؤس سے واپس آیا تو حویلی میں سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔
"ہیلو ایوری باڈی۔" اس نے قدرے بلند آواز میں پکارا جواب ندارد تھا تیمور نے آہستگی سے مرتضیٰ ہاشمی کے کمرے میں جھانکا وہ شاید میڈیسن لے کر آرام کر رہے تھے۔۔۔ اس نے تاؤ جی کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا گول کمرے میں ایزی چیئر پہ جھولتی ہوئی میرال کوئی کتاب پڑھ رہی تھی وہ بنا دستک دیے ہی اندر آ گیا۔
"گھر میں چھائی ہوئی خاموشی کی وجہ جان سکتا ہوں۔"
تیمور نے قریبی چیئر سنبھالتے ہوئے اسے بھرپور نظروں سے دیکھا میرال کو سنبھل کر اٹھنے میں ایک لمحے سے زیادہ نہیں لگا تھا۔
"آپ کو دستک دے کر اندر آنا چاہیے تھا۔" شانوں پہ دوپٹہ پھیلاتے ہوئے اس نے ناگواری کا اظہار کیا۔
"سوری۔۔۔ اگر آپ کو برا لگا تو میں معذرت چاہتا ہوں مائی مائی نظر نہیں آ رہیں۔۔۔؟" اس نے اپنی خفت مٹانے کو پوچھا۔
"بے جی تو درگاہ شریف پہ گئی ہیں وہ ہر جمعرات کی شام وہاں جا کر چراغ جلاتی ہیں۔" اس نے دیکھے بغیر جواب دیا۔
"بائی دا وے چراغ جلانے سے کیا ہوتا ہے۔" تیمور نے گفتگو کو طول دیا۔
"بے جی نے کوئی منت مانی تھی اس کے پورے ہونے کے بعد وہ تب سے درگاہ شریف پہ چراغ جلاتی ہیں۔"
"ویری انٹرسٹنگ! اگر میں کچھ مانگنا چاہوں تو کیا میری دلی مراد پوری ہو گی؟"
"مانگنے کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے نیت صاف ہو تو سننے والا دینے میں دیر نہیں لگاتا۔"
کتاب چیئر پہ رکھ کر وہ جانے کے لیے پلٹی۔
"ایکسکیوزمی کیا مجھے اسٹرونگ سی چائے مل سکتی ہے۔" تیمور نے اس کے جانے کے بعد کتاب اٹھالی۔۔۔ وہ اس کی لگائی ہوئی نشانی سے پڑھنے لگا۔

تیرے حسن کی ہے جو دلکشی
تیرے لب کے جو گلاب ہیں
میرے خواب ہیں
میرے خواب ہیں میری زندگی

میں جو آرزو کے سفر میں ہوں
نہ نظر میں ہوں نہ خبر میں ہوں
کٹے کس طرح یہ سفر میرا
میں ہوں منزلوں سے پرے کہیں
کسی دشت میں کسی دور میں
تیری راہ کی اڑی گرد میں
مجھے بخش دو وہ کرامتیں
جو ہیں منتظر میرے خواب کی

وہ رو دھم میں نظم کو قدرے بلند آواز میں پڑھ رہا تھا جب کسی نے عقب سے کتاب تیمور کے ہاتھ سے چھین لی۔
اسے میرال کا یہ بے ساختہ پن اچھا لگا۔
"آپ جیسے متمدن شریف زادے سڑکوں پہ شرارتیں کر کے راہ چلتی لڑکیوں کو متاثر تو کر سکتے ہیں مگر ان کتابوں میں چھپے جذبوں کی کہانیاں سمجھنا آپ کے بس کی بات نہیں۔"
اس کے طنزیہ انداز پہ تیمور نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔
"چائے بہت اچھی ہے۔ آپ کے لہجے میں چھپے ہوئے طنز کی طرح۔" تیمور نے اسے زچ کرتے ہوئے کہا تھا۔
اگلے چند دنوں میں اس کے پاؤں پائل کے حصار سے آزاد تھے اس نے اپنی کلائیوں سے چوڑیاں اتار دیں اور تیمور سے سامنا کرنے پہ کترانے لگی۔

☆ ☆ ☆

اپنے آپ سے مسلسل لڑتے رہنا اتنا آسان نہیں ہوتا اس کا ادراک ایمان کو ہو چکا تھا۔
وہ ذایان کی آنکھوں میں بھری الجھن دیکھ رہی تھی محسوس کر رہی تھی مگر بعض اوقات حالات سے نظریں چرا لینا ہی بہتر ہوتا ہے وہ بھی نظریں چرا کر انجان بن گئی تھی۔
لیکن جوں جوں فائنل والوں کی فیئر ویل پارٹی قریب آ رہی تھی اس کے اندر کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔
وہ چلا گیا تو ہواؤں میں ان کے گیت کون لکھے گا وہ خود سے پوچھتی۔
وہ چلا گیا تو صداؤں میں سجیلے لفظوں کا رنگ کون بھرے گا؟ دل کا سونا آنگن چیخ پڑتا۔۔۔ وہ دھوکا نہیں دے سکتی تھی نہ تیمور ہاشمی کو اور نہ ذایان آفریدی کو۔
اس کے اندر کی ڈری سہمی ہوئی حویلی کے اونچے در و دیوار میں سانس لینے والی لڑکی ایک دم سے بہت مضبوط ہو گئی تھی۔
"ہیلو کس کے خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو؟" لائبہ اس کے ساتھ سیڑھیوں پہ آ بیٹھی۔
"سراسد گیلانی کی کلاس کب شروع ہو رہی ہے؟" ایمان نے خالی نظروں سے لائبہ کے حیران چہرے کو دیکھا۔
"مائی ڈیئر سویٹ ہارٹ سراسد گیلانی کی کلاس آف ہوئے پورے دس منٹ ہو چکے ہیں۔"
"کمال ہے مجھے پتہ ہی نہیں چلا اور وقت گزر گیا۔"
"تم مراقبے سے باہر نکلتی تو تمہیں یاد رہتا کہ آج کا لیکچر کتنا اہم تھا جو تم مس کر چکی ہو۔ ایمی سچ سچ بتاؤ اسٹڈی میں تمہاری عدم دلچسپی کی کیا وجہ ہے؟"
"کک۔۔۔ کوئی وجہ نہیں ہے۔"
ایمان نے اپنی فائنل اٹھائی اور بیگ کندھے پہ منتقل کیا۔
"اگر تم اپنے اس کمزور لہجے سے مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کرو گی تو سنو یہ ایک ناکام کوشش ہو گی۔"
لائبہ نے اسے کلائی سے تھام کر دوبارہ اپنے پاس بیٹھا لیا تھا۔"یہاں بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ کیا میں تمہارے اعتماد پہ اب بھی پوری نہیں اتری۔۔۔؟"
لائبہ کی اپنائیت سے اس کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی اس نے ایمان کو چپ کروانے کی کوشش نہیں کی تھی جب وہ خوب رو چکی تو شانہ اس کی جانب بڑھایا دل کا بوجھ قدرے کم ہوا تھا۔
"اب مجھے اصل بات بتاؤ۔" ایمان نے بھیگی

آنکھوں سے لائبہ کو دیکھا۔
"مجھے محبت ہو گئی ہے۔"
"ہاؤ فنی! کب، کیوں، کیسے؟"
"لائبہ میں بہت سیریس ہوں۔"
"لگ رہا ہے تمہاری حالت دیکھ کر۔"
"تم... تم پوچھو گی نہیں کہ وہ کون ہے۔"
"مجھے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے علی نے مجھے سب بتا دیا ہے۔"
"کیا...؟"
"یہی کہ ذایان اور تم..."
"لائبہ میں کیا کروں؟ ایک طرف بابا کی خواہش طے شدہ فیصلے کی طرح میری سانسیں روک رہی ہے اور دوسری طرف ذایان کی محبت مجھے بغاوت پہ اکسا رہی ہے۔"
وہ بہت بے بس لگ رہی تھی۔
"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"
"لائبہ میں صرف اتنا جانتی ہوں تیمور میرے لیے کبھی سوٹ ایبل نہیں ہو گا۔"
"تو پھر وہی کرو جو تمہارا دل چاہتا ہے مگر ایک بات ہے کہ آنے والا وقت تمہارے لیے اتنا آسان نہیں ہو گا۔" لائبہ نے ساتھ اسے مطلع کیا تھا۔
"لائبہ تم نے سنا نہیں کہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے... میں بابا کے کیے ہوئے غلط فیصلے کی بھینٹ نہیں چڑھوں گی... اتنی ہمت تو ہے مجھ میں کہ میں اپنا حق مانگ سکوں۔"
"کیا اتنی بہادر ہو؟" لائبہ نے اپنائیت سے اس کی ٹھوڑی کو چھوا۔
"پہلے نہیں تھی اب ہو گئی ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔
"تھینکس گاڈ تمہارے چہرے پہ خوشی کی کوئی تو کرن پھوٹی ورنہ میں تو تمہاری یہ شکل دیکھ دیکھ کر تنگ آ گئی تھی۔"
"فضول مت بولو میں بہت ڈسٹرب تھی۔"
"اور اب...؟"
"اب خاصی فریش ہوں..." ایمان اس کے انداز گفتگو پہ مسکرائی۔
"یہاں بیٹھنے کا کیا فائدہ کینٹین چلتے ہیں۔" لائبہ نے اسے بازو سے تھام کر جلدی سے اٹھایا۔
"ذایان سے تمہاری بات ہوئی یا نہیں۔" کینٹین میں لائبہ نے اس سے پوچھا۔
"کہاں بھئی وہ تو آج کل یونیورسٹی بھی کم آ رہا ہے اس دن رات کو اس نے آئس کریم پارلر میں مجھے تیمور کے ساتھ دیکھ لیا تھا تب سے شاید خفا ہے۔"
"واہ سبحان اللہ تمہارا بھی جواب نہیں جی چاہ رہا ہے کہ دل بھر کر تمہاری کم عقلی کا ماتم کروں جس کی خاطر ساری دنیا سے لڑنے کی تیاری ہو رہی ہے اس سے ابھی تک کوئی بات ہی نہیں کی۔"
"اتنے دن سے وہ آیا ہی کب ہے۔"
"میری جان ابھی بیس منٹ پہلے میں نے ذایان بھائی کو اسپورٹس ہال میں دیکھا تھا۔"
"میں دیکھتی ہوں کہیں وہ چلا تو نہیں گیا؟" ایمان عجلت میں چیئر چھوڑ کر اٹھ گئی لائبہ اس کی جلد بازی پہ دیر تک مسکراتی رہی تھی۔
ذایان اسپورٹس ہال سے ابھی نکلا تھا اس کے قدم تیزی سے کیمپس کے مین دروازے کی جانب اٹھ رہے تھے۔
"ذایان رکو میری بات سنو۔" ایمان نے تقریباً اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے پکارا تو وہ غیر محسوس انداز میں ٹھہر گیا۔
"خفا ہو مجھ سے...؟"
"مجھے خفا ہونے کا حق ہی کب ہے میں ہوتا کون ہوں تم سے خفا ہونے والا۔" ٹھہرا انداز تھا۔
"پلیز ذایان اب ایسے تو مت کہو۔"
"تو اور کیا کہوں تالیاں بجاؤں خوشی کا اظہار کروں کہ تمہیں رات کے گیارہ بجے تیمور کے ساتھ دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگا تھا۔"
"تیمور نے زبردستی گاڑی روک لی تھی آئی سوئیر میری خوشی شامل نہیں تھی۔" اس کے التجائیہ لہجے پہ

ذایان نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
"تمہیں ہوا بھی چھو کر گزرے تو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"
"اتنا چاہتے ہو مجھے؟"
"کوئی شک ہے کیا۔" ذایان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"تم مجھے اپنی مما سے کب ملوا رہے ہو؟" ایمان نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا تھا۔
"وہ میرے علاوہ کسی سے نہیں ملتیں..." ذایان کی نظریں اب کسی غیر مرئی نقطے پہ مرکوز تھیں۔
"مگر کیوں...؟" ایمان کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔
"ہر کیوں کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا وشہ آنی اگر افراسیاب لالہ کے پاس سڈنی نہ گئی ہوتیں تو میں تمہیں ان سے ملوا دیتا۔" اس کے تیکھے انداز پہ ایمان نے خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر سمجھا تھا۔
وقت پلٹ رہا تھا ماضی کے اوراق ایک بار پھر تیز ہوا سے منتشر ہو رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

سید شفقت ہاشمی اپنے علاقے کے بہت بڑے جاگیردار تھے لیکن روایتی جاگیرداروں سے قطعی مختلف بردبار اور حلیم شخصیت کے مالک، مزاج کے بادشاہ تھے ہر خاص و عام شخص کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے، پورے علاقے میں ان جیسا سخی نہیں تھا حویلی سے ملحقہ مسافر خانے میں دو وقت لنگر پکتا اور ہر آنے جانے والے مسافروں اور ضرورت مندوں میں کھانا تقسیم کیا جاتا۔ لیکن فالج نے جب ان کی ٹانگوں کو مفلوج کیا تو وہ خود کو محتاج سمجھنے لگے زمین و جائیداد کے تمام معاملات ان کے بڑے بیٹے سید مرتضیٰ ہاشمی نے سنبھال لیے سیاست میں قدم رکھا تو باپ کی نیک نامی خوب کام آئی سید شفقت کی عزت و ناموس کی بدولت وہ اپنے علاقے سے بھاری اکثریت سے الیکشن جیت کر ایم پی اے منتخب ہوئے۔
کامیابی کے زینے پہ پہلا قدم رکھنے کے بعد کامیابیوں کے در کھلتے ہی چلے گئے اور وہ وقت بھی آ گیا جب انہیں وفاقی وزارت کا عہدہ مل گیا ان سے چھوٹے سید مصطفیٰ ان دونوں لندن میں مقیم تھے زینت دونوں بھائیوں سے چھوٹی تھی ماں کے انتقال کے بعد باپ کی لاڈلی اور بھائیوں کی چہیتی زینت گاؤں کے قریبی شہر سے گریجویشن مکمل کر چکی تھی اس نے جب بابا سے مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تو سید شفقت نے بغیر کسی روک ٹوک کے بیٹی کو لاہور یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلا دیا۔
سید مرتضیٰ روشن خیال ہونے کے باوجود بہن کو مزید تعلیم دلوانے کے حق میں نہ تھے خیر جیسے تیسے وہ راضی ہوئے تو زینت اپنے خواب کی تکمیل کے لیے لاہور آ گئی گو کہ یونیورسٹی کے ہاسٹل میں رہنا ایک رئیس زادی کے لیے اتنا آسان نہیں تھا جس نے آنکھ کھولتے ہی اپنے آس پاس آسائشوں کے انبار دیکھے تھے مگر وہ ان سب سے بے نیاز ہو کر اپنی تعلیم میں مصروف تھی فرسٹ سمسٹر میں اس نے پورے ڈیپارٹمنٹ میں ٹاپ کیا اس کے گروپ میں شامل زریاب آفریدی سے کلاس فیلوز والی دوستی تو تھی ہی مگر جانے کب محبت اس دوستی میں شامل ہو گئی تھی زینت جانتی تھی کہ ان کا ملاپ کبھی ممکن نہیں ہو گا اس کے باوجود محبت خوب صورت خواہشوں میں ڈھل کر دل کی دہلیزوں پہ پھیل گئی انجانے میں چپ چاپ بالکل خاموشی سے اور اس شدت کا اندازہ انہیں تب ہوا جب یونیورسٹی میں ان کے آخری دن تھے۔
زندگی میں بہت سے موسم آتے ہیں اور لوٹ جاتے ہیں محبت ایک ایسا موسم ہے جو کسی کی عکس میں ڈوبی نگاہیں بن کر ٹھہر جائے تو کچھ کھونے یا چھن جانے کا احساس مٹ جاتا ہے۔
زریاب آفریدی کا دنیا میں اپنی بیوہ بہن وشہ گل کے سوا کوئی نہیں تھا وہی ان کی رازدار بھی تھیں وہ بھائی کی محبت کی شدت سے واقف تھیں... زینت کا ایم اے مکمل ہوا تو وہ بہت سی خوشیاں پانے کی خواہش لیے واپس گاؤں چلی آئی ادھر زریاب کا اصرار بڑھ رہا تھا

وشہ گل بھائی کی محبت کے لیے ڈرتے ڈرتے حویلی میں رشتہ لے کر چلی گئیں حویلی میں تو جیسے بھونچال آگیا تھا آج تک کسی غیر خاندان کی جرات نہیں ہوئی تھی کہ وہ حویلی میں رشتے کی بات کرتے سید مرتضیٰ نے وشہ گل اور ان کے شوہر کو بے عزت کر کے حویلی سے نکال دیا اور زینت کے حویلی سے نکلنے پہ پابندی لگا دی۔

خواہشیں مٹھی سے ریت کے زروں کی طرح پھسل گئیں خاندان بھر میں زینت کے جوڑ کا کوئی رشتہ نہیں تھا جس کے ساتھ فوراً "نکاح کے بول پڑھا دیے جاتے سید شفقت ہاشمی لاڈلی بیٹی کی حالت دیکھ کر ملول تھے بیٹی کسی ویران کھنڈر کی طرح دکھائی دینے لگی تو انہوں نے دبے لفظوں میں سید مرتضیٰ سے زریاب کے رشتے پہ غور کرنے کی گزارش کی لیکن مرتضیٰ ہاشمی خاندانی زمین و جائیداد کا بٹوارہ نہیں چاہتے تھے اس مسئلے کا فوری طور پہ ایک ہی حل اخذ کیا گیا وہ حل یہ تھا کہ زینت کا قرآن پہ حق بخشوا دیا جائے عام لفظوں میں اس کی شادی قرآن سے طے کر دی گئی جائیداد میں اس کا حصہ ہتھیانے کے لیے زینت اس نام نہاد رسم کی زد میں آچکی تھی۔

خاندان بھر میں اس رسم کو ادا کرنے کے لیے دعوت نامے جاری کر دیے گئے روحانیت کی گدی کو وراثت میں سنبھالنے کے لیے اس کے حقوق کو پامال کر دیا گیا وہ خاندان کی پہلی لڑکی نہیں تھی ایسی بہت سی مثالیں موجود تھیں لڑکیوں کو قربانی کا بکرا بنا کر ان سے مذہبی، سماجی اور اخلاقی حق چھین لیا جاتا اور ان کا حق قرآن پہ بخشوا دیا جاتا تھا۔

اس رسم کی بھینٹ چڑھنے میں زینت کے پاس ابھی تین دن باقی تھے جب سید مرتضیٰ کو اپنے آفیشل کام کے لیے اچانک شہر سے باہر جانا پڑ گیا پوری حویلی کو دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا اس صورتحال میں زینت انگاروں پہ لوٹ رہی تھی سید شفقت بے بسی سے بیٹی کا تماشا دیکھ رہے تھے زینت کو باپ کی حد درجہ خاموشی شاکی بنا رہی تھی۔ اب چپ رہنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔

"بابا میں آپ کی بیٹی ہوں میری سرپرستی کرنا آپ کا فرض ہے آپ سب کچھ دیکھ کر بھی اتنے انجان کیوں بن رہے ہیں؟"

زریاب نے عزت کے ساتھ میرا ہاتھ مانگا تھا بھائی نے انہیں بے عزت کر کے نکال دیا آپ خاموش رہے پھر انہوں نے میرے حویلی سے نکلنے پہ پابندی لگا دی آپ تب بھی نہیں بولے اور..... اور اب وہ ایک نام نہاد رسم سے مجھے زندگی بھر کے لیے پابند بنا رہے ہیں کچھ بولیے بابا اب تو کچھ کہیے مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے آپ کی خاموشی مجھے کوئی جذباتی قدم اٹھانے پہ مجبور کر دے گی زندگی سے اپنی خوشیاں کشید کرنا میرا مذہبی، سماجی، اخلاقی اور قانونی حق ہے بابا مجھے آپ کا ساتھ چاہیے ورنہ آپ کی بیٹی جیتے جی مر جائے گی....."

زینت بہت دیر تک ان کے بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھی روتی رہی۔

"چپ ہو جاؤ بیٹی میں تمہاری خوشیوں کو پامال نہیں ہونے دوں گا۔" سید شفقت نے مستحکم انداز میں بیٹی کے سر پہ ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا اور اس رات کی تاریکی میں خفیہ طور پہ زریاب آفریدی کو حویلی بلوایا گیا اور گاؤں کے امام مسجد نے دونوں کا نکاح پڑھوا دیا..... سید شفقت نے اپنے رازدار ملازمین کے ذریعے ان دونوں کو گاڑی میں بحفاظت صبح ہونے سے پہلے لاہور بھجوا دیا ..... یہ ساری کارروائی اتنی رازداری سے ہوئی کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی..... دن چڑھا تو پوری حویلی میں کہرام بپا ہو گیا زینت کہیں نہیں تھی مرتضیٰ ہاشمی واپس آئے تو زخمی شیر کی طرح پھر گئے۔

زینت کو بازیاب کروانا ان کی عزت و انا کا مسئلہ بن گیا تھا ان کی ہٹ دھرمی کی بدولت یہ معاملہ تھانے کچہری تک جا پہنچا..... سید مرتضیٰ نے زریاب کے خلاف اغواء کی ایف آئی آر کٹوائی تو پولیس جگہ جگہ زریاب کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارنے لگی..... سید مرتضیٰ کے اثر و رسوخ کی بدولت بلا آخر زینت کو زریاب کی

حراست سے بازیاب کروا لیا گیا اور زریاب آفریدی کو اغوا کے کیس میں جیل بھیج دیا گیا..... پیشی پہ زینت اور زریاب کو عدالت میں پیش ہونا تھا۔

سید مرتضیٰ زینت پہ دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ عدالت میں زریاب کے خلاف بیان دے تو اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے ورنہ اسے حویلی کے تاریک تہہ خانے میں موت کی نیند سلا دیا جائے گا اور کسی کو خبر تک نہ ہو گی۔

زریاب کی زندگی تو پہلے ہی خطرات سے دوچار تھی زینت کا ذہن اس کشمکش میں اور بھی الجھ گیا تھا وہ کوئی بھی ایک فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی سید مرتضیٰ مطمئن تھے کہ زینت ان کی عزت کی لاج رکھے گی مقررہ پیشی پہ جب اسے اپنا بیان ریکارڈ کروانے کے لیے عدالت لایا گیا تو زریاب پولیس کی تحویل میں پہلے سے ہی موجود تھا زریاب کی حالت دیکھ کر زینت کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں کیا نہیں تھا زریاب کی آنکھوں میں۔

اگر وہ زریاب کے خلاف بیان دے دیتی تو پھر بھی اس کی زندگی خوشیوں سے عاری ہوتی اور تمام عمر کے لیے خاندان اس کا سوشل بائیکاٹ کر دیتا۔ بربادی تو دونوں صورتوں میں تھی۔

کمرہ عدالت میں چھائی خاموشی میں ٹائپ رائٹر کی ٹک ٹک گونج رہی تھی اور سید مرتضیٰ کی عقابی نگاہیں گھبرائی ہوئی زینت کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ کبھی بھائی کو دیکھتی اور کبھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے زریاب کو تکتی دل سے نرم جذبوں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں سچ ہوتا جسم خوابوں کی دہلیز پہ خیمہ زن تھا زریاب کی محبت بھری آہٹوں نے اس کا جھکا ہوا سر یک لخت اوپر اٹھا دیا تھا اور اس کے کپکپاتے ہونٹ سچ بیان کرنے لگے اس نے زریاب کے حق میں بیان دیا تھا۔

احساس توہین سے سید مرتضیٰ کے اندر شعلے بھڑکنے لگے..... عدالت نے زریاب اور زینت کے حق میں فیصلہ سنا دیا..... زینت نے اپنے سچ کی بدولت زریاب آفریدی کو پا لیا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ سچ کی کڑواہٹ اس کی زندگی کو اذیت ناک بنا دے گی۔

☆ ☆ ☆

زندگی بہت سکون سے گزر رہی تھی زریاب اور زینت کینیڈا میں سیاسی پناہ لے کر وہاں رہائش اختیار کر چکے تھے بیٹے کی پیدائش پہ وہ بیک وقت خوش بھی تھی اور افسردہ بھی بچھڑے ہوئے رشتوں کا غم آرزوؤں کو روگ لگا رہا تھا۔

بے کلی زیادہ بڑھ جاتی تو وہ سید شفقت سے فون پہ بات کر لیتی۔

"بابا آپ کی جدائی میرے آنسو خشک نہیں ہونے دیتی بھائی کو سمجھائیں کہ سب کچھ بھول کر مجھے معاف کر دیں مجھے جائیداد سے کچھ نہیں چاہیے بس وہ محبتیں مجھے واپس لوٹا دیں جو کبھی مجھ پہ سایہ فگن تھیں آپ کی زینی بہت تنہا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہتی تو دوسری طرف ایک لمبی خاموشی چھا جاتی۔

"بابا آپ سن رہے ہیں ناں؟" وہ بے یقینی سے پوچھتی۔

"ہاں بیٹی تمہارے بابا سن رہے ہیں میں کوشش کر رہا ہوں تمہاری بھابو بھی مرتضیٰ پہ دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دے زخم ابھی تازہ ہے بھرنے میں کچھ وقت تو لگے گا..... تم پریشان مت ہونا تمہارے بابا ہیں ناں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

سید شفقت کے دلاسے پہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔

"پتہ نہیں سب کچھ کیسے ٹھیک ہو گا۔" وہ متفکر سی سوچتی ہی رہ جاتی زینت کا بیٹا اب چلنے پھرنے لگا تھا زریاب زینت کو ہر ممکن طور پہ خوش رکھنے کی کوشش کرتا مگر باپ اور بھائیوں کی جدائی نے اس کی مسکراہٹ چھین لی تھی۔

سید شفقت کی حالت سنبھلنے کی بجائے بگڑتی جا رہی تھی آخری وقت میں زینت کا نام ان کی زبان پہ مچلتا رہا ..... چار سال سے وہ بیٹی کی شکل دیکھنے کے لیے ترس رہے تھے۔

سید شفقت کی وفات کی اطلاع ان کے خاص ملازم نے چوری چھپے زینت کو دی تو وہ سارے خطرات بالائے طاق رکھ کر پہلی فلائٹ سے پاکستان آ گئی۔۔۔ حویلی پہنچی تو مرتضیٰ ہاشمی نے زینت کو مرے ہوئے باپ کا منہ بھی نہ دیکھنے دیا۔۔۔ وہ روئی چیخی چلائی ہاتھ جوڑ کر مرتضیٰ ہاشمی کے سامنے گڑگڑاتی رہی پر ان کا پتھر دل موم نہ ہوا۔۔۔ اسے باپ کا آخری دیدار کروائے بغیر حویلی سے باہر نکال دیا گیا پورے خاندان نے یہ جذباتی منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کسی کے لبوں نے اس ظلم کے خلاف زبان نہ کھولی۔

سید شفقت کی موت نے اسے ایک جامد چپ لگا دی اس کی آنکھیں اپنی بدنصیبی پہ ہمہ وقت رویا کرتیں جسے باپ کا آخری دیدار بھی نصیب نہ ہوا تھا۔

درحقیقت جب انسان سرکشی پر اترتا ہے تو وہ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے بلند تر ہستی سمجھنے لگتا ہے غرور و تکبر اور سرکشی کی ہوا دماغ میں بھرنے سے وہ کسی طاقت کو اپنے سے بالاتر نہیں سمجھتا وہ اپنے آپ کو غیر جواب دہ سمجھ کر جبر و قہر کا دیوتا اور ظلم و فساد کا مجسمہ بن جاتا ہے۔

انسان اپنے اصل کو بھول جائے تو دل سے خوف خدا بھی نکل جاتا ہے وہ آلودہ دلوں کو اپنا مسکن نہیں بناتا سید مرتضیٰ بھی اپنی آخرت کو بھول چکے تھے ان کی بے حسی گزرتے لمحے کو سفاک بناتی رہی وقت تو گزر ہی جاتا ہے چاہے وہ جیسا بھی ہو سو وقت عموں میں پانچ برس کا اضافہ کر کے گزر گیا۔۔۔ یہ پانچ برس کس قدر اذیت ناک تھے زینت بخوبی واقف تھی ان پانچ برسوں کے ایک ایک پل سے۔

زینت دوبارہ دیار غیر میں جانے پہ راضی نہیں تھی لہٰذا زریاب نے یہیں کسی فرم میں جاب کر لی۔۔۔ گزر بسر ہو رہی تھی۔ اس کا بیٹا اب اسکول جانے لگا تھا۔۔۔ گھر بھر کا لاڈلا اپنی پھوپھو میں تو جان تھی اس کی۔

وہ دن زینت کی دعاؤں کی قبولیت کا تھا جب مصطفیٰ ہاشمی نے نگہت سمیت اس کے چھوٹے سے آنگن میں قدم رکھا تھا۔۔۔ خوشی سے زینی کا انگ انگ جھوم اٹھا۔۔۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کس طرح کرے بس روئے جا رہی تھی۔

اس کا ننھا بیٹا زریاب کی گود میں بیٹھے ہوئے کبھی ماں کو اور کبھی اجنبی مہمانوں کو دیکھتا۔

"زینی میری بہن چپ ہو جاؤ۔۔۔ جو کچھ بھی ہوا میں زیادہ تو نہیں جانتا بس بھول جاؤ۔۔۔ میں نے بابا کی وفات پہ آنے کی پوری کوشش کی مگر فلائٹ ہی نہ ملی۔۔۔ بابا کے قل والے دن صبح پاکستان پہنچا تو کچھ باتیں معلوم ہوئیں۔۔۔ مجھے ذاتی طور پہ بہت دکھ ہے کہ بھائی صاحب نے تمہیں بابا کا آخری دیدار نہیں کرنے دیا۔۔۔ بہرحال میں اسی دکھ کا مداوا کرنے آیا ہوں کو کہ مجھے بہت پہلے تمہارے پاس آ جانا چاہیے تھا لیکن جو خدا کو منظور ہو جس لمحے کو خدا نے خوشی کے لیے سنبھال رکھا ہو وہ وقت سے پہلے کب ملتا ہے بھائی صاحب سے تفصیلی بات چیت ہوئی ہے میں نے سمجھایا ہے۔ انہیں۔۔۔ شاید انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا جبھی وہ چاہتے ہیں کہ تم دونوں ان سے آ کر ملو وہ بہت شرمندہ تھے اپنے کیے پر اسی لیے یہاں نہیں آ سکے۔۔۔ وہ بڑے ہیں اور تم چھوٹی ہو۔۔۔ بڑوں کی عزت واجب ہوتی ہے۔ میری بات سمجھ رہی ہو زینی؟" سید مصطفیٰ نے بہن کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ تو ان کی اپنائیت پہ اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے وہ فقط سر ہلا گئی تھی۔

"جی بھائی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔۔۔ میں اور زریاب کل ہی گاؤں آ جائیں گے۔" زینت نے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ارے زینی یہ تمہارا بیٹا ہے ماشاء اللہ کتنا کیوٹ ہے۔" نگہت جو خاصی دیر سے خاموش تھیں زریاب کی گود میں بیٹھے ہوئے بچے کو دیکھ کر اپنائیت سے بولیں۔

"ادھر آؤ بیٹا آپ تو بہت پیارے ہیں۔" سید مصطفیٰ نے محبت سے ہاتھ بڑھا کر بچے کو گود میں اٹھا لیا تھا جو باپ کی گود سے نکلنے کے بعد خوش نہیں لگ رہا تھا۔

کسی اپنے کے آنے سے زینت کے دل کا بوجھ کم ہو گیا تھا اس کی دعائیں رائیگاں نہیں گئی تھیں۔۔۔ اس کی کوکھ میں پنپنے والا ننھا وجود اس کے لیے کتنی ہی خوشیاں سمیٹ لایا تھا۔

سید مصطفیٰ اور نگہت کے جانے کے بعد بھی وہ ایک سرشاری کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ وہ ساری رات اس نے خود بھی جاگ کر گزاری اور زریاب کو بھی جگائے رکھا۔

صبح بیٹے کو اس کی پھپھو کے پاس چھوڑ کر وہ دونوں گاؤں روانہ ہو گئے۔۔۔ کھلتی کلیوں جیسی مسکراہٹ راستوں اور منظروں کو سونپ کر دلوں میں گرم جذبوں کی چمک لیے فاصلوں کو چاہتوں کے رس بھرے ملائم لمس دے کر وہ اپنی کھوئی ہوئی محبتوں کو پانے کے لیے سخت بے چین تھی اسے گاؤں تک کا سفر کبھی اتنا لمبا نہیں لگا تھا۔

زریاب نے گاڑی چلاتے ہوئے رخ موڑ کر زینت کو دیکھا تھا جس کے ہونٹوں پہ پھولوں کی ملائم پتیوں جیسی مسکراہٹ کھل رہی تھی۔

"زینی اب تو تم خوش ہو ناں؟"

"بہت زریاب آج میں بہت خوش ہوں میری خوشیاں آج مکمل ہو جائیں گی بھائی اور بھابو سے ملنے کے بعد ہم بابا کی قبر پہ بھی جائیں گے وہ بھی خوش ہوں گے ہے ناں؟" زینت تمناؤں کی فہرست بتا رہی تھی اور زریاب اس کے معصوم انداز پہ مسکرا رہا تھا۔

حویلی میں ان کی توقعات سے بڑھ کر ان کا استقبال ہوا تھا۔ اس ملن رت نے ساری کدورتیں دھو ڈالیں سید مرتضیٰ بار بار بہن سے معافی کی درخواست کر رہے تھے اور زینت ہمیشہ ان کے انداز پہ شرمندہ ہو جاتی روانگی سے قبل وہ زریاب کے ساتھ اپنے آبائی قبرستان بھی گئی جہاں بابا کی قبر پہ اپنے آخری آنسو بہانے کے بعد اس کا من ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

سورج اپنی مسافت طے کر رہا تھا۔۔۔ وہ دونوں اپنوں کی محبتیں سمیٹ کر واپسی کے لیے روانہ ہونے لگے تو سب نے انہیں کچھ دن اور حویلی میں رکنے کی دعوت دی مگر زینت کو بیٹے کی فکر کھائے جا رہی تھی جو رات کو اس سے لپٹ کر سونے کا عادی تھا۔

گاؤں سے شہر تک کا فاصلہ خاصا لمبا تھا لاہور پہنچتے پہنچتے انہیں رات ہو چکی تھی۔

چوک سے ٹرن لے کر جب زریاب نے گاڑی اپنی کالونی کے راستے پہ ڈالی تو زینت بول اٹھی۔۔۔

"ابھی کہاں جا رہے ہیں پہلے آپا کی طرف سے ذانی کو تو لے لیں۔"

"رات کے دس بج رہے ہیں اس وقت تو وہ سو چکے ہوں گے۔" زریاب نے سمجھانا چاہا تھا۔

"آپ جانتے تو ہیں کہ ذانی میرے بغیر نہیں سوتا اور پھر بھی کہہ رہے ہیں۔"

"خیر نیند تو آپ کے بغیر ہمیں بھی نہیں آتی۔۔۔" زریاب نے جھک کر قدرے شریر انداز میں کہا تو وہ جھینپ گئی۔

"کچھ شرم کریں اور گاڑی دیکھ کر چلائیں یہاں کے ڈرائیورز سے آپ بخوبی واقف ہیں کہ بینائی سے محروم ہوتے ہیں۔۔۔ ذرہ آنکھ جھپکی اور بندہ گیا۔"

"اچھا ہے ساتھ جئیں گے اور ساتھ مریں گے۔"

"خدا نہ کرے یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔" زینت نے دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"مزہ جتنا دل ہے تمہارا میں مذاق کر رہا تھا۔"

"پلیز ایسے ہولناک مذاق مت کیا کریں۔۔۔ کچھ گھڑیاں قبولیت کی بھی ہوتی ہیں۔"

"اوکے یار یہ دیکھو میں کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوں اب تو خوش ہو جاؤ۔"

"زریاب ہم پہلے آپا کی طرف چلتے تو اچھا تھا۔"

"کیوں فکر کر رہی ہو۔۔۔ ذانی آپا کے پاس سو گیا ہو گا میں صبح جا کر اسے لے آؤں گا ڈونٹ وری جانتی ہو کہ آپا اس سے کتنی محبت کرتی ہیں۔ شاید اپنے بیٹے سے بھی زیادہ تم چابیاں نکال کر گیٹ کا لاک کھولو۔۔۔ میں گاڑی گیراج میں لگاتا ہوں صبح افتخار کو شکریہ کے ساتھ دے آؤں گا۔ سوچو اگر گاڑی کا بندوبست نہیں ہوتا تو ہمیں کوچ اور بسوں کے دھکے کھانے پڑتے۔"

زینت چابیاں لے کر باہر نکل آئی اور لاک کھول کر

گیٹ وا کر دیا چھوٹے سے گیراج میں بمشکل گاڑی سمائی تھی زریاب نے گاڑی کو لاک لگایا اتنے میں زینت بھی گیٹ بند کر چکی تھی۔

"اف سارے گھر میں کس قدر اندھیرا ہو رہا ہے۔" زینت نے برآمدے کی لائیٹ آن کی اور زریاب کے ساتھ لاؤنج میں قدم رکھا تو اسے عجیب سی حیرت ہوئی۔۔۔ لاؤنج کا دروازہ تو اس نے خود لاک کیا تھا جبکہ اس وقت دروازہ کھلا ہوا تھا۔۔۔ اندر گھپ اندھیرا تھا اس نے غیر محسوس انداز میں زریاب کا بازو تھام لیا' زریاب نے دیوار پہ ہاتھ ٹٹول کر لائٹ آن کر دی۔

"خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ملے۔"

تاریکی میں گھات لگائے چار مسلح افراد نے بیک وقت پسٹل تان لیے زینت کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"بی بی یہ جو تھوڑا بہت زیور پہن رکھا ہے فوراً اتار دو۔"

"م میں ابھی اتارتی ہوں۔۔۔" وہ کانپتے ہاتھوں سے زیور اتارنے لگی۔

"اوئے جیب چیک کر اس کی۔" ایک ڈاکو نے دوسرے کو اشارہ کیا۔

"استاد یہ تو ہم سے بھی گیا گزرا نکلا۔"

دوسرے ڈاکو نے زریاب کی جیب سے برآمد ہونے والے واحد ایک ہزار کے نوٹ کو مسلح استاد کے سامنے پیش کیا۔

"میری جان ہمارے لیے یہ گاڑی ہی بہت ہے جس پہ یہ ابھی آئے ہیں۔"

"نہیں پلیز یہ گاڑی کسی کی امانت ہے صبح مجھے ہر حال میں یہ واپس کرنی ہے تم لوگ جو چاہو لے جا سکتے ہو۔" زریاب کے بے ساختہ انداز پہ مسلح ڈاکوؤں کا استاد دھاڑا۔

"اوئے بک بک نہ کر۔۔۔ اور سیدھی طرح سے گاڑی کی چابی ہمارے حوالے کر ورنہ۔۔۔"

"ورنہ کیا کرو گے تم۔" زریاب کے اندر کا روایتی پٹھان جوش میں آ چکا تھا۔

"میری جان صبح ساری دنیا اخباروں میں پڑھے گی۔" وہ چاروں ایک ساتھ قہقہہ بار ہوئے۔

اس خوب صورت دن کی رات بہت بھیانک تھی تاریکی نے کس قدر خاموشی سے خون کے چھینٹے اپنے دامن میں سمیٹ لیے تھے چاروں مسلح افراد کی ایک ساتھ فائرنگ سے زریاب آفریدی کا مسخ شدہ چہرہ پہچان کے قابل بھی نہ رہا زینت کی کوکھ میں سانس لیتا ننھا وجود اس کی سانسوں کے ساتھ دم توڑ گیا۔

بظاہر ڈکیتی کی واردات کے دوران مزاحمت پہ قتل ہونے والے کسی کے انتقام کا بدلہ تھے۔۔۔ اس دوہرے قتل کی واردات کو بڑی خوب صورتی سے ڈکیتی کا نام دے دیا گیا حویلی والوں کے لیے زینت کی دائمی جدائی کا صدمہ بہت بڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج صبح سے ہی کن من ہو رہی تھی اپنے کمرے میں دبک کر موویز دیکھنے کے باوجود اس کی بوریت دور نہیں ہو پا رہی تھی۔ حویلی ہنوز ایک عجیب اور پراسرار سے سناٹے کی زد میں تھی۔۔۔ سنی اور مامون سے فون پہ لمبی گپ شپ لگانے کے بعد وہ باہر آیا تو اچھا خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا وہ ایک لمبی جمائی لے کر کچن میں چلا آیا کھانوں کی خوشبو نے اس کی بھوک کو چمکا دیا تھا۔

"چوہدری حمید کے بیٹے کے دعوت ولیمہ پہ کچھ زیادہ دیر نہیں کر دی تائی ماں اور تاؤ جی نے۔" میرال کو کچن میں تنہا دیکھ کر وہ اندر چلا آیا۔

"نزدیک گئے ہیں آنے میں کچھ دیر تو لگے گی ہی۔" میرال نے گوشت دیگچی میں ڈالتے ہوئے بے تاثر انداز میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے فی الحال حویلی میں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔" میرال کو ایک دم اپنے آس پاس خطرے کی گھنٹیاں سنائی دیں۔

"نہیں اتنے ڈھیر سارے نوکر ہیں۔" اس نے اپنے خوفزدہ لہجے پہ قابو پاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"مگر میرے حکم کے غلام!"

میرال کو تیمور کی آواز اپنے بہت قریب سنائی دی۔ اس نے بدک کر خود کو تیمور کی گرفت سے آزاد کیا تو کیبنٹ سے جا ٹکرائی۔

"تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو رہی ہو؟ کھا نہیں جاؤں گا میں تمہیں۔" وہ ایک بار پھر آگے بڑھا۔

"مجھے کمزور لڑکی سمجھنا بھی مت ورنہ۔۔۔"

"کیا ورنہ؟" تیمور کو اس کے جارحانہ انداز پہ ہنسی آ رہی تھی۔

میرال نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر کیبنٹ سے سبزی کاٹنے والی چھری اٹھالی۔

"میرے قریب مت آؤ۔" چھری کے دستے پہ اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے وہ دو ٹوک انداز میں چیخی اس کے لہجے کی مضبوطی بتا رہی تھی کہ وہ کچھ بھی کر گزرے گی۔ تیمور نے وہاں سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

میرال جو اتنی دیر سے خود کو حوصلہ دے رہی تھی اس کے جانے کے بعد کیبنٹ سے سر ٹکا کر رونے لگی۔

تیمور کے آنے سے اس کی زندگی عذاب میں پڑ گئی تھی اس کی آنکھ میں گندگی کے چھینٹے تو اس نے پہلے دن ہی دیکھ لیے تھے اسی لیے وہ محتاط ہو گئی تھی لیکن وہ اس حد تک گر سکتا تھا اس کا اندازہ نہیں تھا میرال کو۔

اسے ایمان کی قسمت پہ رونا آ رہا تھا جس کی نسبت تیمور جیسے بدکردار شخص سے طے ہو چکی تھی۔

میرال اگر ڈسٹرب تھی تو وہ رات تیمور کے لیے بھی جاگنے کا باعث تھی۔۔۔ مسلسل اسموکنگ کرتے ہوئے زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کو اتنی فرصت سے سوچنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

نظریں اپنی ہتھیلی پہ پڑی میرال کی پائل پہ جمی ہوئی تھیں۔

"اسے میں خود تمہارے پاؤں میں سجاؤں گا اپنی استحقاق بھری محبت کے ساتھ۔۔۔" لبوں نے سرگوشی کی اور تیمور نے خود کو بیڈ پہ گرا دیا۔ ایک خوب صورت سے احساس نے اسے اپنے حصار میں لے رکھا تھا رات جاگنے کے باعث اس نے سارا دن سو کر گزارا۔

سید مرتضیٰ ہاشمی حاکم دین کے ساتھ ڈیرے پہ جا چکے تھے یہ ان کے معمولات تھے جب ان کی طبیعت ذرا بہتر ہوتی وہ حویلی میں نہیں ٹکتے تھے انہیں حویلی کی اونچی اونچی دیواروں میں اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوتا۔

زینت کی آہوں کی بازگشت انہیں کھلی فضا میں نکلنے پہ مجبور کر دیتی تھی یہ ان پہ عذاب تھا خدا کا نازل کردہ کہ ان کے اپنے ہی اعضاء ان کے وجود سے کٹ جانا چاہتے تھے۔۔۔ ماضی کا خوف گزشتہ بیس برس سے ان کے ایک ایک لمحے کو چاٹ رہا تھا۔

سورج کی کرنیں چھن چھن کر اس کے کمرے میں آ رہی تھیں اچھا خاصا دن چڑھ آیا تھا فریش ہونے کے بعد اس نے چیئنج کیا بال بنائے اور تائی ماں سے ملنے ان کے کمرے میں چلا آیا رانی بی تو اسے کہیں نظر نہ آئیں البتہ میرال وہاں ضرور موجود تھی جو بے جی کے دھلے ہوئے کپڑے بڑی ترتیب سے الماری میں رکھ رہی تھی۔

تیمور پہ نظر پڑتے ہی اس کے ماتھے پہ تیوریاں چڑھ گئیں۔

"کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے' کیا پرابلم ہے آپ کا۔"

میرال نے زچ ہو کر ہاتھ میں تھامے دھلے ہوئے کپڑے قریبی کرسی پہ پھینک دیے تھے۔

"تم۔۔۔ صرف تم ہو میرا پرابلم جس نے میری راتوں کی نیندیں اور۔۔۔"

"پلیز تیمور صاحب چلے جائیں یہاں سے' مجھے میری ہی نظروں میں ذلیل مت کریں خدا کے لیے مجھ سے میرا یہ آسرا مت چھینیے آپ ایمان کے حوالے سے میرے لیے بہت معتبر تھے لیکن آپ کی غلیظ فطرت نے مجھے نظریں اٹھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔" بولتے ہوئے اس کی آواز رندھ گئی۔۔۔ تیمور کو شرمندگی کے احساس نے گھیر لیا۔

"میرال آئی سوئیر میں نے کبھی تمہارے بارے

میں برا نہیں سوچا۔"

"اس کا عملی مظاہرہ تو میں کل رات دیکھ ہی چکی ہوں۔" اس کے لہجے کی کاٹ تیمور کو بے چین کر گئی تھی۔

"بائے گاڈ کل رات میں بری نیت سے وہاں نہیں آیا تھا۔" میں تو۔۔۔ صرف تمہاری ایکشن دیکھنا چاہتا تھا۔"

اور اس کوشش میں آپ کی اصلیت مجھ پہ کھل گئی سوچیے تیمور صاحب اگر سوچوں کے چہرے ہوتے تو آپ کا چہرہ کتنا بدصورت ہوتا۔" میرال کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔۔۔ وہ تیزی سے اس کے پاس سے گزر کر باہر نکل گئی جبکہ اس کے جملے کی بازگشت نے تیمور کے قدم جکڑ لیے تھے وہ الٹے پیروں واپس اپنے کمرے میں گیا اور جلدی سے اپنی تمام چیزیں بیگ میں ٹھونسنے لگا۔

"میں اب یہاں ایک منٹ نہیں رکوں گا سمجھتی کیا ہے یہ خود کو میں تو جیسے اس کی نظر میں کوئی لچا لفنگا ڈاکو بدمعاش ہوں بھاڑ میں جائے یہ محبت اسے سیدھا نہ کیا تو میرا نام بھی سید تیمور ہاشمی نہیں۔" بیگ میں وہ ایک ایک چیز عجلت میں ٹھونستے ہوئے مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔

رات کھانے پہ اس نے تائی ماں اور تاؤ جی کو اپنے واپسی کے پروگرام سے آگاہ کر دیا تھا وہ کسی بھی صورت اسے جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔

"پتر مجھے ایک بات تو بتا صبح تک تو نے جانے کا نام بھی نہیں لیا تھا پر اب اتنی چھیتی تو اڈ کر لاہور پہنچ جانا چاہتا ہے نہ تجھے یہاں مسئلہ کیا ہے۔"

"تائی ماں میں اگلے ہفتے پھر آجاؤں گا۔۔۔ اتنے دن تو رہ لیے ہیں آپ کے پاس اور دیکھیے میرا وزن بھی آپ کے بنائے ہوئے دیسی کھانے کھا کھا کر کتنا بڑھ گیا ہے۔ مجھے لاہور جا کر فوراً جم جوائن کرنا ہے کچھ دن اور یہاں رہا تو موٹا بن جاؤں گا۔"

"لو کر لو بات اب تو پھر مجھ سے مخول (مذاق) کرنے لگ پڑا ہے۔" رانی بی کی سادہ طبیعت پہ وہ مسکرا رہا تھا۔

"میری توبہ تائی ماں میری ایسی مجال کہ میں آپ سے مذاق کروں کیوں تاؤ جی آپ بھی تو کچھ بولیں نا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا پر پھر بھی تمہارے یہاں آنے سے ہمارا دل بھی بہل گیا تھا تم چلے جاؤ گے تو پھر وہی فرصت ہی فرصت۔"

"تاؤ آئی پرامس میں آتا جاتا رہوں گا آپ تنہا نہیں ہیں آپ کا بیٹا آپ کے ساتھ ہے۔" تیمور نے یگانگت سے سید مرتضیٰ کے جھریوں بھرے ہاتھوں پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دی تو وہ خاموشی سے سر جھکا گئے تھے۔

کھانا سرو کرتی ہوئی میرال پہ اس نے ایک نگاہ غلط بھی نہیں ڈالی تھی۔

صبح کی سپیدی پھوٹ رہی تھی جب وہ حویلی سے لاہور جانے کے لیے نکلا تھا جاتے سمے دل نے ایک بار اسے دیکھنے کی خواہش کی تھی جسے تیمور نے رد کرتے ہوئے جیپ آگے بڑھا دی مضمحل دل کی دہلیز پہ تیمور کی محبت میرال کی بے رحم چپ میں گھری کسی شور سے بھی زیادہ پرشور تھی۔

فضا میں ہلکی ہلکی خنکی کا احساس تھا۔

"پتہ نہیں دو ہفتے اتنی جلدی کیسے گزر گئے تھے۔"

اس نے گردن گھما کر سرسبز کھیتوں کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

گاؤں آتے ہوئے اس کے ذہن میں کوئی فکر کوئی واہمہ نہیں تھا مگر اب یوں گماں ہو رہا تھا جیسے ذہن خدشات سے بھر گیا ہو میرال کے الفاظ نے اسے بری طرح سے پنچ دیا تھا۔

"اتنی بے اعتنائی؟ بے وقوف لڑکی میں نے تمہارے بارے میں کبھی غلط نہیں سوچا تھا مگر میری بے تابیوں نے تمہیں۔۔۔ کتنا غلط سوچنے پہ مجبور کر دیا ہے وہ گاڈ یہ میں کیا فضول بکواس کرتا رہا ہوں اس کے سامنے۔"

انہی سوچوں کو سلجھاتے ہوئے وہ خود بھی الجھ رہا تھا کبھی اسے میرال پہ غصہ آتا اور کبھی وہ خود سے لڑنے لگتا۔

دل جہاں کھو جائے وہاں سے واپسی کا سفر بہت

اداس ہوتا ہے چھن جانے کی چبھن چین نہیں لینے دیتی اور جنہیں آپ چاہتے ہوں ان کی آنکھوں میں ابھرنے والی بے اعتنائی کی ایک لکیر بھی بہت اذیت دیتی ہے میرال کی آنکھوں میں جو نفرت اس نے دیکھی تھی اس کو سہنا بہت مشکل تھا۔

☆ ☆ ☆

واپس آکر اس نے خود کو پھر سے سوشل سرگرمیوں میں مصروف کر لیا تھا مگر وہ سلونے مکھڑے پہ سجی ہوئی سیاہ آنکھیں جن میں زندگی کے کتنے ہی رنگ یکجا تھے اس کے ہمراہ رہتی تھیں۔

رات وہ نگہت بیگم کی گود میں سر رکھے گاؤں کی ڈھیروں باتیں شیئر کر رہا تھا جنہیں سن کر وہ مسکرا رہی تھیں۔

"ممی تائی ماں نے میرا اتنا خیال رکھا کہ کچھ مت پوچھیں وہ اتنی بھولی ہیں کہ ان کی ہر بات پہ قہقہہ لگانے کو جی چاہتا تھا۔"

"بھابو ہیں ہی بہت اچھی۔۔۔ جب ایمان پیدا ہوئی تھی تو انہوں نے دونوں بھائیوں کی محبت کو مضبوط بنانے کے لیے ایمان کو ہماری جھولی میں ڈال دیا تھا۔"

"ممی اگر میں آپ سے کچھ مانگوں تو کیا آپ مجھے وہ دیں گی؟"

"کیوں نہیں میری جان میں نے یا تمہارے پاپا نے آج تک تمہاری کسی خواہش کو رد نہیں کیا۔" انہوں نے بیٹے کے بال سنوارتے ہوئے کہا تھا۔" کیا چاہیے میرے بیٹے کو؟"

"ممی میں۔۔۔ میں اپنی محبت کو اپنانا چاہتا ہوں وہ صرف میری بن کر رہے میں نے کبھی کسی کے لیے اتنی شدت محسوس نہیں کی۔"

"تیمور میں خود تم سے ایمان کے سلسلے میں بات کرنے والی تھی ابھی تو اس کے فائنل سمسٹر میں بہت وقت ہے شادی کے بعد کمپلیٹ کرتی رہے گی تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ممی وہ ایمان نہیں ہے میں اس کی بات نہیں کر رہا ہوں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ آپ ایمان کو بہو بنانے کا خیال دل سے نکال دیں۔"

"تیمور تم جانتے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" نگہت بیگم پہ حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

"ممی ایمان کے علاوہ بھی اس دنیا میں بہت سی لڑکیاں ہیں۔"

"ہوں گی لیکن ایمان کی نسبت بچپن سے تمہارے ساتھ طے ہے۔"

"یعنی میری خوشیوں سے آپ کو کوئی سروکار نہیں ہے۔" تیمور خود کلامی کے انداز میں بولا تھا۔

"کیوں نہیں میری جان تمہاری خوشیوں کے لیے ہی تو یہ سب کچھ کر رہی ہوں گھر کی بچی گھر ہی میں رہے گی۔" نگہت بیگم نے اسے پیار سے سمجھانا چاہا۔

"ممی آپ کتنی آسانی سے کہہ رہی ہیں۔ محبت میں کسی اور سے کرتا ہوں اور شادی کسی اور سے کر لوں۔۔۔ امپاسبل ممی میں یہ دوغلی پالیسی کبھی نہیں اپناؤں گا میں اس وقت صرف اپنی بات کر رہا ہوں فرض کریں ایمان اگر اس رشتے پہ راضی نہ ہوئی تو۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو گا۔۔۔ اور ہمیں اس کی رائے جاننے سے کوئی سروکار نہیں ہے کیونکہ ہماری فیملی میں لڑکیوں سے شادی بیاہ کے معاملات میں رضامندی نہیں لی جاتی۔"

"ممی میں اور ایمان کبھی ایک دوسرے کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہو سکیں گے۔"

"تیمور یہ تمہارا وہم ہے ایسا کچھ نہیں ہو گا تم بلاوجہ ڈسٹریس ہو رہے ہو۔"

"ممی آپ کیسی ماں ہیں آپ کو میری فیلنگز سے کوئی سروکار نہیں ہے؟" دکھ سے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی بچپن سے لے کر اب تک اس کو منگی سے منگی چیزیں دلا کر سید مصطفیٰ اور نگہت بیگم اپنے تئیں مطمئن ہو جایا کرتے تھے کہ وہ اپنے حقوق مکمل طور پہ ادا کر رہے ہیں انہیں بیٹے کے احساسات سے کوئی

سروکار نہیں تھا۔۔۔ یہی وجہ تھی کہ وہ باغی ہو گیا تھا۔۔۔ اسے خوشی ہوتی تھی سید مصطفیٰ کو اذیت دے کر۔۔۔ وہ مسکرایا کرتا تھا ممی کو چار لوگوں میں زچ کر کے اس کے اندر اتری ہوئی تنہائیاں پھر بھی کم نہیں ہوتی تھیں اس کے ہونٹوں پہ پھوٹنے والی مسکراہٹ خالص نہیں ہوتی تھی۔۔۔ مگر آج ممی کی بے حسی نے اسے بہت دکھ دیا تھا۔۔۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ گھر چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے کہیں چلا جائے جہاں اس کی خوشی سے کسی کو کوئی سروکار نہیں تھا جہاں اس کے احساسات کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔۔۔ ایسی جگہ آپ صرف خود کو برباد کر سکتے ہیں اپنی ذات کا سرا آپ کو کہیں نہیں ملتا آپ کو صرف طے شدہ راستوں پہ چلنا ہوتا ہے آپ نہ چاہیں تب بھی۔

☼ ☼ ☼

سارا دن اس نے گھر سے باہر گزارا تھا شام کو وہ چینج کرنے کے لیے گھر آیا تو ایمان اپنی فرینڈز کے ساتھ کہیں باہر جا رہی تھی سید مصطفیٰ اور نگہت بیگم کسی کلب میں منعقدہ تقریب میں انوائیٹڈ تھے سید ہاؤس میں حسب معمول خاموشی تھی۔

شاور لے کر چینج کرنے کے بعد وہ گھر سے نکل رہا تھا جب گیٹ پہ سید مرتضیٰ کی لینڈ کروزر آن رکی تھی۔ تاؤ جی اور اتنی اچانک وہ بھی بغیر بتائے تیمور کو سخت حیرت ہو رہی تھی۔۔۔ گارڈ آہنی گیٹ کھول چکا تھا۔

"اسلام علیکم تاؤ جی! ارے تائی ماں آپ اور ہمارے ہاں آج آپ نے کیسے فرصت نکال لی۔" تیمور تاؤ سے ملنے کے بعد رانی بی کی طرف آیا۔

"اللہ تجھے خوش رکھے پتر فرصت ہی فرصت ہے۔" تیمور نے کن انکھیوں سے مرتضیٰ ہاشمی کو دیکھا جو خلاف معمول بہت خاموش اور متفکر دکھائی دے رہے تھے۔

"تیمور بیٹا ایمان کہاں ہے؟"

"تاؤ جی وہ تو اپنی فرینڈز کے ساتھ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی کہیں گئی ہے۔"

"تمہاری ماں نے اسے روکا نہیں۔"

"ممی گھر میں نہیں تھیں۔" تیمور کو لگ رہا تھا ان کی اچانک آمد بلاوجہ نہیں تھی۔

"اور مصطفیٰ کہاں ہے؟"

"ممی انہی کے ساتھ کہیں انوائیٹڈ تھیں"۔ تیمور ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا تھا۔

"تاؤ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"بیٹا طبیعت ٹھیک نہ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ تم ایمان سے رابطہ کرو کہ وہ فوراً گھر پہنچے۔"

"اوکے تاؤ جی آپ بیٹھیں تو سہی میں ابھی اس سے کونٹیکٹ کرتا ہوں۔" تیمور نے ممی پاپا سے موبائل پہ رابطہ کر کے انہیں تاؤ اور تائی ماں کی آمد سے آگاہ کر دیا تھا البتہ ایمان سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کا موبائل رابطہ نہ ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں نگہت بیگم اور سید مصطفیٰ آ پہنچے تھے۔

"ارے بھائی صاحب آپ۔" سید مصطفیٰ نے بغل گیر ہونے کے لیے بازو پھیلائے۔

"مصطفیٰ مجھے لگتا ہے کسی دن میرا یہ بے جان وجود بھی میرے حوصلے کے ساتھ ڈھے جائے گا۔"

"بھائی صاحب آپ ایسی مایوسی کی باتیں مت کیا کریں آپ تو ہمارے لیے گھنی چھاؤں کی طرح ہیں ہمیں تو آپ سے حوصلہ لینا ہے۔"

"اور بھابو آپ سنائیں کیسی ہیں؟"

"بس مصطفیٰ زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔"

"بھابو خیر تو ہے بھائی صاحب اور آپ مجھے خاصے پریشان لگ رہے ہیں۔"

"کیا بتائیں مصطفیٰ ہم تو اپنی ہی نظروں میں گر گئے ہیں۔" اپنے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے رانی بی آبدیدہ ہو گئی تھیں اسی اثناء میں ایمان داخل ہوئی تو پاپا اور بے جی کو دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"کہاں تھیں تم؟" سید مرتضیٰ کا تفتیشی انداز اس کا خون خشک کرنے کے لیے کافی تھا۔

"بب۔۔۔ پاپا وہ نیو کیمپس میں کتاب میلے کی نمائش لگی ہوئی تھی آج آخری دن تھا میں وہیں گئی تھی اپنی فرینڈز کے ساتھ۔"

"یہ ذایان کون ہے؟"

ان کا دوسرا سوال سن کر تو اس کی روح فنا ہو گئی تھی۔

"کک کون ذایان؟"

"بکواس بند کرو اور میرے سوال کا جواب دو۔" وہ بلند آواز میں چلائے۔۔۔ سب کی نظریں اس کے چہرے پہ جمی ہوئی تھیں۔

"مم۔۔۔ میں کسی ذایان کو نہیں جانتی۔" اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"جھوٹ بولتی ہو تم اس نے خود فون پہ مجھے بتایا ہے کہ تم اس کے ساتھ۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں میں اس کے ساتھ کورٹ میرج کر چکی ہوں۔" ایمان کا اعتراف تازیانے کی طرح سید مرتضیٰ کو لگا اور وہ ریت کی دیوار کی طرح صوفے پہ گر گئے۔۔۔ سید مصطفیٰ اور نگہت بیگم کے لیے یہ صورتحال بہت حیرت انگیز تھی۔

"نی مرن جو گیے غرق جانییے تجھے ذرا حیا نہ آئی تجھے ذرہ ہماری عزت کا خیال نہ آیا۔۔۔ موت پڑے تجھ پہ اس بڑھاپے میں ہمیں ذلیل کر کے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تو نے۔" رانی بی روتے ہوئے مسلسل اسے لعن طعن کر رہی تھیں۔

سید مرتضیٰ کے جسم سے کسی نے جان کھینچ لی تھی ان کا پورا جسم ٹھنڈے پسینے سے تر ہو رہا تھا۔

تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی وقت نے مرتضیٰ ہاشمی کو ذلالت کے اسی دوراہے پہ لا کھڑا کیا تھا زینت کی سسکیاں آج تمسخرانہ ہنسی میں بدل گئی تھیں۔

"تیمور جاؤ پانی لاؤ۔۔۔ بھائی صاحب خود کو سنبھالیں۔" سید مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر ان کا شانہ تھپکایا۔

"ایمان تمہیں ڈوب مرنا چاہیے سارے خاندان کی عزت تم نے داؤ پہ لگا دی۔۔۔ غضب خدا کا کیسے ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر یہ کھیل کھیلتی رہی ہو ایک لمحے کے لیے بھی تم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہارے اس فیصلے کے نتیجے میں کیا کچھ ہو سکتا ہے۔" نگہت بیگم بھی جلال میں آئی ہوئی تھیں۔

"اگر مجھے اپنی زندگی کا راستہ اپنی مرضی سے چننے کا اختیار دیا جاتا تو شاید ایسا کبھی نہ ہوتا۔۔۔ جو چیزیں ہمیں آسانی سے حاصل نہ ہوں وہ ہمیں چھیننی پڑتی ہیں۔" ایمان اور تیمور کے احساسات ایک جیسے تھے۔۔۔ لیکن ایمان لڑکی ہونے کے باوجود ایک بولڈ قدم اٹھا چکی تھی۔

"نہیں۔۔۔ میں تمہیں اب بھی معاف کر سکتا ہوں تم اس سے طلاق لے لو۔۔۔" سید مرتضیٰ کو خود اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی سنائی دی۔

"پاپا ایسا کبھی نہیں ہو گا چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔"

"شٹ اپ ایمان بند کرو اپنی یہ بکواس۔۔۔ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔ دیکھ نہیں رہی ہو کہ بھائی صاحب کی طبیعت کس قدر خراب ہو رہی ہے۔" اب کے سید مصطفیٰ دھاڑے تو وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

"تیمور دیکھو یہ کہیں باہر نہیں نکلنے پائے۔" انہوں نے تیمور کو تنبیہہ کی اور خود موبائل پہ ڈاکٹر سہیل راجہ سے کونٹیکٹ کرنے لگے۔۔۔ نگہت بیگم رانی بی کو تسلی دے رہی تھیں۔

"بھائی صاحب آنکھیں کھولیں ہوش میں آئیں۔"

سید مصطفیٰ موبائل آف کرنے کے بعد ایک بار پھر بھائی کی طرف لپکے جن کا جسم اب خوف کی وجہ سے جھٹکے کھا رہا تھا ان پہ وقفے وقفے سے Anxiety کے دورے پڑ رہے تھے۔۔۔ نفسیاتی امراض کے ماہر ڈاکٹر سہیل راجہ ان کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد سید مصطفیٰ سے مخاطب ہوئے۔

"میں مرتضیٰ صاحب کو یہ ادویات چند ہفتوں کے لیے استعمال کروا رہا ہوں انہیں آنسوؤں کی رم جھم دیکھ

CS CamScanner

کلینک ایڈمٹ کروادیں۔"
ڈاکٹر سہیل راحیہ نفسیات پہ ایک لمبا لیکچر دے کر پیشہ ورانہ انداز میں تسلی دے رہے تھے۔
"بھابو فکر مت کریں بھائی صاحب ٹھیک ہو جائیں گے اور چند گھنٹوں میں انہیں ہوش بھی آجائے گا آپ کچھ دیر آرام کرلیں۔"
"کیسے آرام کروں مصطفیٰ جب اولاد منہ پہ کالک مل دے تو ڈوب مرنے کو دل چاہتا ہے... کیا کروں میں اس لڑکی کے ساتھ۔"
"بھابو بھائی صاحب کی طبیعت بہتر ہونے دیں پھر اس مسئلے کا حل بھی نکال لیں گے... نگہت تم بھابو کو اپنے کمرے میں لے جاؤ... میں یہیں ہوں بھائی صاحب کے پاس۔"
"چلیں بھابو آئیں میرے ساتھ اور تھوڑی دیر آرام کرلیں۔"
"نگہت کیسا سکون کیسا آرام...؟ ہمیں تو اس لڑکی نے زندہ درگور کر دیا ہے۔" رانی بی مسلسل رو رہی تھیں۔
تیمور ڈاکٹر سہیل کو رخصت کرنے کے بعد اندر آیا تو ایمان لاؤنج کی سیڑھیوں میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس نے آہستگی سے ایمان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔
"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"
"تیمور اگر میں سب کچھ بابا کو بتا دیتی تو کیا وہ میری شادی ذایان سے ہو جانے دیتے... نہیں تیمور ایسا کبھی نہیں ہوتا میں نے بھی یہ کبھی نہیں چاہا تھا کہ بابا میرا دیا ہوا یہ صدمہ سہتے مگر... میں مجبور تھی اگر ایسا نہ کرتی تو مجھے زبردستی تمہارے ساتھ منسوب کر دیا جاتا میں اپنے ساتھ ساتھ تمہیں دھوکے میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ تیمور بعض اوقات تقدیر ہم سے ایسے فیصلے کروا لیتی ہے جنہیں سوچنا بھی ہم گناہ سمجھتے ہیں میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ..."
وہ اپنے گھٹنوں میں سر دیے رو پڑی۔
تاؤ... اعتماد کی قاتل ہوں... پلیز بابا مجھے پہلے ہی کہیں گئی ہے... ہوئے بول رہی تھی اور

تیمور اسے تسلی کے دو بول بھی نہیں بول سکا تھا۔
وہ رات اس نے وہیں سیڑھیوں پہ بیٹھ کر روتے ہوئے گزاری تھی سید مرتضیٰ کی حالت میڈیسن لینے کے باوجود سنبھل نہیں پا رہی تھی... صبح کے چھ بجے تھے جب مصطفیٰ گاڑی میں ڈاکٹر سہیل کے کلینک روانہ ہوئے تھے رانی بی اور نگہت بیگم بھی ان کے ہمراہ تھیں... وہ تیمور کو ایمان کے متعلق ہدایات دے کر جا چکے تھے۔
"پتہ نہیں اب کیا ہو گا۔" تیمور نے اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹکایا۔
"تیمور بابا ٹھیک ہو جائیں گے نا... تم مجھے بابا کے پاس لے جاؤ... ورنہ یہاں میرا دم گھٹ جائے گا۔"
"ایمان تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے سب لوگ کتنے ڈپریس ہیں تائی ماں تمہیں دیکھ کر وہیں کلینک میں شروع ہو جائیں گی۔ تماشہ دکھانا ہے کیا لوگوں کو۔"
تیمور نے سخت لہجے میں اسے ٹوکا تو وہ چپ چاپ بیٹھ کر آنسو بہانے لگی...
"اب یہ رونا دھونا چھوڑو اور تاؤ کی صحت کے لیے دعا کرو۔" تیمور اسے سرزنش کرتا ہوا اٹھ گیا تھا وہ واش روم میں تھا جب اس نے پورچ میں گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی جتنی دیر میں وہ باہر آیا تھا ایمان نگہت بیگم کی ہنڈا سٹی لے کر جا چکی تھی اس لڑکی کے ساتھ بہت برا ہونے والا ہے۔ تیمور نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر سہیل کے کلینک جانے کی بجائے وہ سیدھی ذایان کے فلیٹ آئی تھی پارکنگ میں گاڑی کو لاک لگا کر وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی دوسری منزل پہ اس کا فلیٹ تھا ایمان نے ڈور بیل پہ انگلی جما دی۔
ذایان نے آنکھیں ملتے ہوئے دروازہ کھولا۔
"تم اور اس وقت؟" ذایان نے اسے اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔
"مجھے تاکید کر کے تم نے بابا کو یہ کیوں بتایا کہ میں تم

سے کورٹ میرج کر چکی ہوں۔ جانتے ہو بابا کی طبیعت کتنی خراب ہے۔" ذایان دروازہ بند کر کے آچکا تھا۔
"میں تمہارے باپ کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔"
"ذایان تم میرے بابا کی توہین کر رہے ہو۔" ایمان بلند آواز میں چلائی۔
"مت چلاؤ یہ تمہارے باپ کی حویلی نہیں ہے۔"
ذایان نے اپنے مضبوط ہاتھ سے اس کے چہرے کو مضبوطی سے پکڑ کر اپنے اتنے قریب کر لیا کہ ذایان کی سانسیں اس کے چہرے پہ پڑنے لگیں... تکلیف سے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔
"تمہارے باپ سے میں نے اتنی ہی شدت سے نفرت کی ہے جتنی شدت سے میں نے اپنی ماں سے محبت کی ہے۔" ذایان نے اپنا ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹا لیا تھا وہ سہمی ہوئی نظروں سے اس اجنبی ذایان کو دیکھ رہی تھی۔
"ادھر آؤ اور اس تصویر کو غور سے دیکھو... یہ عورت میری ماں ہے جسے تم سب زینت کہتے ہو۔"
ذایان اب اس کو کلائی سے پکڑ کر کارنر اسٹینڈ تک لے آیا تھا جہاں زینت اور زریاب کی چند ہنستی مسکراتی تصویریں سجی ہوئی تھیں وہ پھٹی نگاہوں سے کبھی تصویروں کو اور کبھی ذایان کو دیکھ رہی تھی۔
"یہ عورت تمہارے باپ کی بہن تھی جسے اس نے بڑے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قتل کروا دیا تھا۔"
"نہیں یہ جھوٹ ہے میرے بابا کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔"
"کبھی تم نے اپنے باپ سے پوچھا ہے کہ اسے انگزائٹی کے دورے کیوں پڑتے ہیں... احساس جرم ہے جو اسے بے چین رکھتا ہے۔"
"پلیز ذایان اتنا کڑا سچ مت بولو مر جاؤں گی میں۔" ایمان نے اپنے لرزتے ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھے۔
"یہ سچ ہے ایمان مرتضیٰ ہاشمی کہ تم سے کورٹ میرج کرنا میری مجبوری تھی کیونکہ میں تمہارے باپ

کی تنی ہوئی گردن جھکا دینا چاہتا تھا۔"
"صرف مجبوری...؟"
ایمان نے کھوکھلے لہجے میں اس کے لفظ دہرائے جیسے اپنی سماعت پہ شبہ ہوا ہو۔
"ہاں صرف مجبوری۔"
وہ کتنے ہی لمحے ذایان کے چہرے کو کھوجتی رہی تھی۔
"اور وہ تمہاری محبت؟"
"مجھے تم سے کبھی محبت نہیں تھی اور نہ کبھی ہو گی۔ سن لو میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا... تم ساری عمر اپنے باپ کی حویلی میں اس کی نظروں کے سامنے عبرت بن کر رہو گی اور وہ شخص تمہیں دیکھ دیکھ کر روز مرا کرے گا۔"
ذایان کے تلخ جملوں نے اسے بہت بلندی سے دھکا دیا تھا اور اس کی عزت نفس منہ کے بل گر گئی تھی... وہ باپ جس کے منہ سے ایمان نے کبھی سخت الفاظ نہیں سنے تھے وہ قاتل تھا اپنی چہیتی بہن اور بہنوئی کا... اور تیسرا وجود وہ ننھی جان تھی جو زینت کی کوکھ میں پنپ رہی تھی۔
اس کے سارے حوصلے پست ہو گئے... وہ ایک قاتل کی بیٹی تھی اور مقتولین کے وارث کی بیوی۔ اسے اپنے ہی وجود سے گھن آرہی تھی اس نے جس حاصل کے لیے واپسی کی سب کشتیاں جلا دی تھیں وہ حاصل اب ایک تلخ حقیقت کا روپ دھارے اس کے سامنے تھا۔
"اب بتاؤ کیا کروں میں تمہارے ساتھ۔ اخباروں میں شہ سرخیاں لگوا دوں کہ سابق وفاقی وزیر کی بیٹی نے گھر سے فرار ہو کر اپنے کلاس فیلو سے کورٹ میرج کرلی۔"
ذایان کی بے رحم نظریں اس کے زرد ہوتے چہرے پہ جمی ہوئی تھیں۔
"پلیز ذایان ایسا کچھ مت کرنا" ایمان نے گڑگڑاتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔
"تمہاری آنکھوں میں یہ آنسوؤں کی رم جھم دیکھ

کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔" ذایان نے اس کا بھیگا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کاش میں تمہاری ان باتوں کو سننے سے پہلے مر جاتی ذایان میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی تم نے میرے جذبوں کو مار دیا ہے میرے احساسات سے کھیل کر کیا ملا ہے تمہیں یہ جھوٹی خوشی یہ مصنوعی مسکراہٹ بابا کے کیے کی سزا مجھے سونپ کر تم کچھ نہیں پاؤ گے تم نے اس لڑکی کو کھو دیا ہے جس نے تمہاری محبت میں اپنا آپ بھی داؤ پر لگا دیا تھا تم نے میرے پاکیزہ جذبوں کے بدلے میں دھوکے کے جو زخم دیے ہیں وہ کبھی نہیں بھریں گے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی ذایان کبھی نہیں۔"

وہاں اب ایک لمحہ بھی رکنا اس کے لیے محال تھا اس کے سارے خواب تو اس کے سامنے ہی ٹوٹ گئے تھے اور ان ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں اس کے سارے وجود کو لہولہان کر رہی تھیں۔

سب وقت کی آزمائش تھی یہ آزمائش سید مرتضیٰ کا مقدر تھی اور اس کے وار سہنا ان کی مجبوری۔۔۔ یہ مجبوریاں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں کبھی رشتوں کی صورت میں اور کبھی اپنوں کی بے حسی کی صورت میں سامنے آتی ہیں، ہم انہیں سلجھانے کی بجائے بے حسی کے ہتھوڑے سے ایک ہی وار کر کے توڑ دینے کی کوشش کرتے ہیں خونی رشتوں میں بٹی ہوئی یہ مجبوریاں نہ خود بنتی ہیں نہ خود توڑی جا سکتی ہیں یہ توڑنے سے بھی نہیں ٹوٹتیں اور نہ چھوٹنے سے چھوٹ سکتی ہیں۔ بڑی دائمی ہوتی ہیں یہ مجبوریاں! ان ازلی وابستگیوں کو توڑنے کی کوشش انسان کو اپنی ہی ذات میں تنہا کر دیتی ہے۔

سید مرتضیٰ بھی تو بھری دنیا میں خود کو تنہا محسوس کرتے تھے جس زمین و جائیداد کی خاطر انہوں نے اپنی بہن کو مروا دیا تھا اس کا وارث کون تھا خدا نے انہیں بیٹے کی نعمت سے محروم رکھا۔۔۔ ان سے سکون کی دولت چھین لی۔۔۔ کیا بچا تھا ان کے پاس؟ روز روز کا مرنا، خوف اور اپنی بد اعمالیوں کا ڈر۔۔۔ بیٹی کے ہاتھوں ذلت؟ بیماری کی اذیت؟ کیا تھا ان کے پاس۔۔۔ سوائے لوگوں کی ہنستی نگاہوں کے جب انسان خدا سے دور ہو جائے تو سکون انسان سے دور کر دیا جاتا ہے اندیشے اور خوف ایسے شخص کے دل پہ مسلط کر دیے جاتے ہیں زندگی اپنی افادیت، معنویت اور تقدس کھو دے تو نتیجہ خوف مسلسل کے سوا کچھ نہیں ہوتا بے معنی اندیشے ایک عذاب بن کر چمٹ جاتے ہیں۔۔۔ خوف کسی غلطی کسی غفلت اور کسی جرم کی یاد کا نام ہوتا ہے جو قسط در قسط موصول ہوتا رہے تو انسان کے حوصلے بھی دم توڑ دیتے ہیں۔

قدرت نے سید مرتضیٰ کی زمین والوں پہ کی ہوئی بد اعمالیوں کی سزا کا دیباچہ خود ان پہ اپنی ہی بد اعمالیوں کے خوف کی صورت میں نازل کر رکھا تھا۔

وہ چودہ گھنٹوں سے کوما کی حالت میں تھے انہیں ہوش نہیں آ رہا تھا۔

زندگی کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی خواہش موت سے کب بچ پائی ہے؟

زندگی صرف ماضی اور مستقبل کے سنگم کا نام ہی تو ہے جس شخص کا ماضی گناہ سے داغ دار ہو اور مستقبل عذاب کے اندیشوں سے بھرا ہوا ہو وہ شخص نہ زندوں میں شمار ہوتا ہے اور نہ مردوں میں سزا کو توڑنے کا ہتھیار توبہ کے سوا کچھ نہیں اور یہ ہتھیار سید مرتضیٰ سے چھین لیا گیا تھا۔۔۔ کیونکہ ان کے اعمال کا بدلہ دیا جانے والا تھا۔

ایمان کلینک پہنچی تو انہیں پرائیوٹ روم میں ایمرجنسی وارڈ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

"یہاں کیا اب اپنے باپ کا تماشا دیکھنے آئی ہے؟" رانی بی نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ چیخیں مار مار کر روئے۔

"بھابو یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔" نگہت بیگم نے انہیں سمجھایا۔

"کہاں گئی تھیں تم؟" تیمور نے اس کے قریب آ کر درشت لہجے میں استفسار کیا۔

"خود کو ڈھونڈنے نکلی تھی مگر میرے وجود کے اعضاء مجھے کہیں نہیں ملے۔"

"حوصلہ رکھو اللہ نے چاہا تو تاؤ جی کو کچھ نہیں ہو گا۔"

تیمور کو اس کی حالت پہ ترس آ رہا تھا۔۔۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ ابھی تک شاکڈ تھی۔۔۔ پتہ نہیں تقدیر اب اس کے ساتھ کون سا کھیل کھیلنے والی تھی۔

دفعتاً ایمرجنسی وارڈ کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر سہیل راجہ اسی طرف آتے دکھائی دیے۔

"مرتضیٰ صاحب ہوش میں تو آ چکے ہیں لیکن۔۔۔"

"کیا لیکن ڈاکٹر صاحب کچھ تو بتائیں۔" مصطفیٰ ہاشمی نے بے تابی سے پوچھا۔

"مرتضیٰ صاحب اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں اور فالج نے ان کا پورا جسم ناکارہ بنا دیا ہے وہ اپنے جسم کو کوئی حرکت نہیں دے سکیں گے۔۔۔ زندگی کی سانسیں کتنی ہیں یہ تو اوپر والا ہی جانتا ہے مگر ہم اپنی طرف سے بھرپور کوشش کر رہے ہیں خدا پہ بھروسہ رکھیں۔" سید مصطفیٰ نے خود کو دیوار کا سہارا دے کر سنبھالا۔

رانی بی کی چیخیں پورے ویٹنگ لاؤنج میں گونج رہی تھیں۔

"جب عذاب آنے کا وقت قریب ہو تو توبہ چھین لی جاتی ہے۔" ایمان کے گرد ایک ہی جملے کی بازگشت گونج رہی تھی وہ کہاں تھی رو بھی رہی تھی کہ نہیں اسے کچھ معلوم نہیں تھا اس کا ذہن ایک ہی رات میں پے در پے آنے والے حادثے سے ماؤف ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سات دن سات برسوں کے برابر تھے۔۔۔ سارے چہرے اور سارے رشتے سید مرتضیٰ کے لیے اجنبی ہو چکے تھے ان کی ساکت نظریں حیرانگی سے تکتی رہتیں وہ بولنے کی کوشش کرتے تو منہ سے ٹوٹے ہوئے لفظ ادا ہوتے پتہ نہیں وہ کیا سوچتے تھے اور کیا کہنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹرز نے کہہ دیا تھا کہ وہ اب کبھی ٹھیک نہیں ہوں گے کلینک سے ڈسچارج کروا کر سید مصطفیٰ رانی بی کے باہمی مشورے سے انہیں گاؤں لے آئے تھے۔ زمین کے معاملات کی تمام ذمہ داریاں پہلے ہی حاکم دین نے سنبھال رکھی تھیں اب مرتضیٰ ہاشمی کی دیکھ بھال بھی وہی کر رہے تھے بمشکل انہیں تکیے کا سہارا دے کر کچھ کھلایا پلایا جاتا۔

نگہت بیگم اور سید مصطفیٰ ابھی حویلی میں ہی تھے وسیع حلقہ احباب رکھنے کی بدولت لوگ خیریت دریافت کرنے کے لیے آ جا رہے تھے رانی بی چپ کی بکل مارے ہمہ وقت گم سم دکھائی دیتی تھیں اور ایمان کسی بھٹکی ہوئی روح کی طرح بے چین لگتی۔۔۔ ذایان سڈنی چلا گیا تھا اور اس نے ایمان سے کونٹیکٹ کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ کبھی کبھی اس کا جی چاہتا کہ وہ خود کو اس دو دھاری تلوار جیسی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دے مگر میرال کا دیا ہوا حوصلہ اس کے الجھے ہوئے ذہن کے لیے ڈھارس بن جاتا۔ زندگی نے اسے بہت بھیانک رخ دکھایا تھا اسی لیے بے یقینی بڑھ گئی تھی۔

"میرال میں نے کبھی اس زندگی کی خواہش نہیں کی تھی۔" وہ کچن میں چائے بنا رہی تھی جب ایمان اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"زندگی ہماری زندگی طے شدہ تھوڑی ہوتی ہے ہم جو چاہتے ہیں ضروری نہیں کہ ویسا ہی ہو یہ تو زندگی کے تغیرات ہیں آنے والا ہر لمحہ ایک نئے احساس سے بیدار کرنے کے لیے آتا ہے اگر زندگی میں جمود ہوتا تو ہم لوگوں کے پل پل بدلتے رویوں کو کیسے سمجھ سکتے تھے؟" میرال نے ٹرے میں چائے کی پیالیاں سجاتے ہوئے رسان سے کہا۔

"تم کتنی سمجھدار ہو گئی ہو۔" ایمان نے چہرے پہ زبردستی کی مسکراہٹ سجاتے ہوئے متحیر لہجے میں کہا اتنی دیر میں میرال فلاسک میں چائے بھر چکی تھی۔

"میری جان وقت کرتا ہے پرورش۔۔۔ ابھی تم نے زندگی کا صرف ایک رخ دیکھا ہے وہ تمہاری توقع سے کہیں برعکس ہے اسی لیے تم اس انہونی کے ٹرانس

سے نکل نہیں پا رہیں۔ بے جی کو تسلی دیا کرو... بابا صاحب کے پاس بیٹھا کرو' دوسروں کے دکھ میں شریک ہونے سے اپنے دل کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔"

"میرو میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئی ہوں... اس نے اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لیے میری پاکیزہ اور سچی محبت کو استعمال کیا ایک لمحہ صرف ایک لمحہ اور سب کچھ پرایا کر دیا... میری محبت اور مان بھرے رشتے کو ایک پل میں اپنے پیروں تلے روند گیا کیوں کیا اس نے ایسا کیا قصور تھا میرا یہی کہ میں مرتضیٰ ہاشمی کی بیٹی تھی...؟ بابا کے کیے ہوئے جرم کی سولی پہ اس نے مجھے کیوں قربان کیا۔ میرو والدین کے گناہوں کی سزا بچوں کو کیوں ملتی ہے۔"

"ایمان پلیز کول ڈاؤن انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا میں نے رات مصطفیٰ چاچا سے بات کی تھی... بس یہ مہمانوں کی آمدورفت تھوڑی کم ہو جائے تو وہ وشہ گل سے بات کریں گے چاچا بتا رہے تھے کہ تیمور بھائی کسی علی نامی لڑکے سے سڈنی کے تمام کونٹیکٹ نمبرز لے آئے ہیں۔"

"مت دو مجھے جھوٹی تسلیاں میری محبت تو اب بے یقین ہو گئی ہے۔ میرو جن جذبوں کو اظہار کا پانی نہیں ملتا وہ بہت جلد سوکھ جاتے ہیں پھر لفظوں کی زرخیزی جذب کرنے کی ان میں استعداد نہیں رہتی۔"

"ایمان تم نے یہ نہیں سنا کہ محبت جس کھیت کی آبیاری کرے وہ کبھی نہیں سوکھتا اگر تمہاری محبت سچی ہے تو وہ ضرور آئے گا... خدا پہ بھروسہ رکھو۔

اچھا چھوڑو اب ان باتوں کو میں چائے لے کر گول کمرے میں جا رہی ہوں... سب وہیں بیٹھے ہوئے ہیں تم بھی اپنی یہ رونی شکل کے زاویے بدل کر وہیں آجاؤ۔" میرال نے شرارت سے کہا اور ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

✡ ✡ ✡

"یہ اولاد کا غم بھی بڑا عجیب ہوتا ہے دکھ میں ہو تو ماں کا کلیجہ کانٹوں پہ لوٹتا ہے کیسی جھلی بنی ہوئی ہے میری بچی روز صبح اٹھ کر مرتضیٰ کے پاس چلی جاتی ہے ان کے سینے پہ سر رکھ کر روتی ہوئی صرف ایک ہی سوال بار بار دہراتی ہے کہ بابا آپ نے ایسا کیوں کیا۔

مصطفیٰ ویر سچ پوچھ تو مجھ سے اس کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی تو کسی طرح سے بھی گل اور ذایان کا پتہ کروا وہ میری بچی کو اس کے ناکردہ گناہوں کی سزا کیوں دے رہا ہے۔"

"بھابو آپ حوصلہ رکھیں سڈنی کے تمام نمبرز میرے پاس ہیں میں آج ہی ان سے رابطہ کرتا ہوں۔ اگر مجھے اس دن ذرا سا بھی شک ہو جاتا کہ بھائی صاحب زینت اور زریاب کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں تو میں کبھی اس رات زینت کو واپس نہ جانے دیتا... سوچتا ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے کتنی خوش تھی اس دن زینت" گزرا ہوا وقت سید مصطفیٰ کی آنکھوں میں لہرا رہا تھا میرال نے آہستگی سے چائے کی ٹرے ٹیبل پہ رکھ دی۔

"بھابو شاید آپ کو میری بات بری لگے لیکن سچ یہی ہے کہ بھائی صاحب کی سفاکی ان کے آگے آ گئی ہے۔"

"ویرا میں کیا کہوں کچھ بولوں گی تو گنہگار ٹھہروں گی میرے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ مرتضیٰ ہی زینت کے قاتل ہیں ایمان اجڑ کر حویلی کی دہلیز پہ آ بیٹھی ہے کس غم کا ماتم کروں مرتضیٰ کی بیماری کا ایمان کے اجڑ جانے کا یا شوہر کے قاتل بن جانے کا۔"

رانی بی دوپٹے میں آنسو جذب کرتے ہوئے غمگین لہجے میں بولیں۔

"بھابو آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں ہم جو ہیں آپ کے ساتھ۔ تقدیر میں جو غم لکھا ہو وہ آ کر ہی رہتا ہے۔ دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ بھائی صاحب پہ رحم کرے۔" قریب بیٹھی ہوئی نگہت بیگم نے تسلی آمیز انداز میں ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"نگہت اگر یہی حالات رہے تو میں زیادہ عرصہ نہیں جی پاؤں گی۔"

"ارے بھابو کیسی باتیں کر رہی ہیں ابھی تو ان

بچوں کو آپ کی ضرورت ہے آپ کے حوصلے اور شفقت بھرے سائے کی ضرورت ہے۔ دیکھیں تو کیسی سمجھدار بچی ہے ساری حویلی کا نظام سنبھال رکھا ہے میرال نے۔"

نگہت بیگم نے چائے سرو کرتی میرال پہ محبت بھری نگاہ ڈالی۔

"اللہ اس کے نصیب اچھے کرے جہاں بھی جائے گی وہ گھر سنور جائے گا بہت خدمت کی ہے اس نے میری بھی اور مرتضیٰ کی بھی۔ خدا اس کو اجر دے۔" رانی بی کے دعا دینے پر میرال کی آنکھیں تشکر سے جھک سی گئیں۔

"چاچا آپ چائے میں کتنی شوگر لیں گے؟"

"میرال بیٹا زیادہ نہیں صرف ون ٹی اسپون۔" چائے کی پیالی اس نے سید مصطفیٰ کی طرف بڑھائی۔

"اور آپ...؟" میرال نے فلاسک سے چائے پیالی میں منتقل کرتے ہوئے تیمور سے پوچھا۔

"میری چائے میں صرف اپنی انگلی ہلا دو۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

میرال کے چہرے کا زاویہ ایک دم بدلا۔

"کچھ لوگ لاعلاج ہوتے ہیں..." اس نے بھی اسی طرح ہلکی سی آواز میں کہہ کر تیکھے انداز میں پھیکی چائے تیمور کو تھمائی۔

"بشرطیکہ علاج کرنے والا تم جیسا بے حس نہ ہو۔"

میرال نے وہاں سے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

شام میں وہ نوری سے مہمان خانے کے تمام کمروں کی صفائی کروا رہی تھی جب رانی بی نے اسے اپنے کمرے میں بلا بھیجا میرال سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کے پاس چلی آئی۔

"بے جی آپ نے یاد کیا تھا مجھے۔"

"ہاں دھیے ادھر آ میرے پاس۔" رانی بی نے پلنگ کی پشت پہ کمر ٹکاتے ہوئے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میرو دھیے انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ... تو جانتی ہے کہ ایمان بچپن سے ہی تیمور کی منگ تھی پر تقدیر کو شاید یہ ملاپ قبول نہیں تھا۔ کہاں سے کہاں کہانی جوڑ کر رب تعالیٰ نے ذایان کو اس کا مقدر بنا دیا مصطفیٰ میرا دیور نہیں ویروں جیسا ہے ہر اچھے برے ویلے میں وہ ہمارے کام آیا ایمان نے اپنی مرضی سے شادی کر لی فیروی اس نے ہمیں جتایا نہیں پر اب اسے نہ کرنے کا مجھ میں حوصلہ نہیں تو بھی میری بیٹی ہے مجھے تیری بھی اتنی ہی فکر ہے دھیے بیٹیوں کو کہیں نہ کہیں تو بیاہنا ہوتا ہے۔ تیمور ماشاءاللہ بڑا فرماں بردار ہے ہمارا اس سے اچھا رشتہ بھلا اور کیا ہو گا... مصطفیٰ اور نگہت نے صبح مجھ سے بات کی تھی میں نہ نہیں کر سکی دھیے۔

اگر تیرے بابا صاحب کی صحت ٹھیک ہوتی تو وہ سارے معاملات طے کرتے پر اب بتا یہ کام بھی مجھے ہی کرنے پڑیں گے... تجھے میرے فیصلے پر کوئی گلہ تو نہیں۔"

سب کچھ تو طے ہو چکا تھا اب وہ کیا کہتی... زندگی میں پہلی بار اسے اپنی ماں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی وہ حویلی کو مزید ویرانیوں کے سپرد نہیں کر سکتی تھی بے جی کا سر ندامتوں سے جھکا دینے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔

اسے خود کو مار کر سب کچھ بچانا تھا مصطفیٰ چاچا اور نگہت چاچی کی محبتوں کو... بے جی کی مان بھری اپنائیت کو... اس نے اپنی چیخوں کو دبا دیا تھا اس نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ تیمور جیسا بدکردار شخص اس کا ہمسفر ہوتا۔

جانے سے پہلے مصطفیٰ ہاشمی اور نگہت بیگم نکاح کی تاریخ لے گئے تھے۔

✡ ✡ ✡

زندگی کی مٹھی سے وقت کے ذرے پھسل رہے تھے لیکن آس کا سفر ابھی باقی تھا جو اس کی سانسوں کے ساتھ سانس لے رہا تھا کتنی راتیں ایسی تھیں جو اس نے ذایان کے لوٹ آنے کی آس میں گزار دیں کتنے ہی ویران دن خاموشی سے گزر گئے تھے۔

CamScanner

ہر آنے والا لمحہ اسے نئے اندیشے اور وسوسے سونپ کر گزر جاتا۔۔۔ محبت کے اس سفر میں اس نے سب کچھ ہار دیا تھا اب تو امید کی شمعیں بجھنے کے لیے بے یقینی کا ایک ہی جھونکا باقی تھا۔ ہر آنے والا دن ایک امید بن کر من آنگن میں روشنی پھیلاتا اور شام ہوتے ہی وہ روشنی مایوسی کے اندھیروں میں سمٹ جاتی۔

کہتے ہیں تمنا اور حاصل میں بڑا فرق ہوتا ہے خوابوں اور تعبیروں میں بڑے فاصلے ہوتے ہیں اس کی تمنا کا حاصل ویسا نہیں تھا جیسا اس نے چاہا تھا اس کے خوابوں کی تعبیریں ویسی نہیں تھیں جس کے ایمان نے خواب دیکھے تھے بوگن ویلیا اور عشق پیچاں کے پھول ہوا کے دوش پر یہاں سے وہاں بکھر رہے تھے۔ برآمدے کے ستون سے لپٹی منی پلانٹ تاریکی میں کسی دیو قامت سائے کی طرح لگ رہی تھی۔ وہ بہت دیر سے برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔۔۔ وسیع آنگن میں گلاب، موتیے اور رات کی رانی کی مہک رچی ہوئی تھی رات کے تاریک آنچل پہ آب و تاب سے اپنی چاندنی بکھیرتا ہوا چاند بھی اس کی کشش و پنج کا گواہ بن چکا تھا۔

"تمہاری آنکھوں میں یہ آنسوؤں کی رم جھم دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔"

حویلی کے تاریک سکوت میں ایک لمحے کے لیے ہلچل مچی اور پھر ایک لمبی چپ!

ایمان نے غیر ارادی طور پر اپنے چہرے کو چھوا تو اس کی پوریں آنسوؤں سے نم ہو گئیں۔

"ایمی رات کے اس پہر تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" میرال نے عقب سے آکر حیرت سے پوچھا تھا۔

"میرو میں نے ان ہواؤں کے ہاتھوں میں اسے سندیسے بھیجے ہیں مگر کوئی جواب نہیں آتا میں نے پھولوں کی خوشبوؤں میں اس کے نام کے جذبے انڈیلے ہیں مگر وہ خوشبو بھی اسے واپس نہیں لا سکی میں نے اپنے آنسوؤں کے موتی ان راتوں کی تاریکیوں میں سجائے ہیں مگر اسے یہ جلتی بجھتی روشنیاں بھی نظر نہیں آتیں میں نے تو اس کی محبت میں اپنا سب کچھ پرایا کر دیا تھا وہ کہتا تھا کہ اسے مجھ سے کبھی محبت تھی ہی نہیں اور نہ کبھی ہو گی پھر میں کیوں اس کے لوٹ آنے کی آس سنبھال رکھنا چاہتی ہوں میں کیوں اس کے انتظار کی آگ میں جل مرنا چاہتی ہوں۔"

"ایمان محبت محنت یا کوشش سے حاصل نہیں ہوتی یہ تو عطا ہے نصیب ہے اگر تمہارے نصیب میں یہ عطا لکھی ہے تو تمہیں ضرور ملے گی۔۔۔ لیکن صبر کے ساتھ حوصلے کے ساتھ۔"

"کتنا صبر میرو کتنا حوصلہ؟ اس نے پلٹ کر میری خبر تک نہیں لی۔ اتنا فریب اتنا دھوکا کیا کوئی محبت کے نام پہ کسی کو دے سکتا ہے۔"

آنسوؤں سے ایمان کا چہرا بھی بھیگ رہا تھا۔

"جب پرندے پنجروں میں پھڑپھڑانے لگیں تو انہیں کھلا چھوڑ دینا چاہیے۔۔۔ محبت کی بھیک مانگو گی تو کچھ نہیں ملے گا اسے خود کو آزما لینے دو۔۔۔ مجھے یقین ہے وہ لوٹ کر صرف تمہارے پاس آئے گا۔"

ایمان اس کی دلیل کے بعد بول نہیں پا رہی تھی ان کی عمروں میں فرق نہ ہونے کے برابر تھا مگر میرال کا مشاہدہ اس کی سوچ کی وسعت بہت وسیع تھی۔

"میرال تم اس رشتے سے خوش ہو گیا؟" اس نے اچانک پوچھا تو وہ پلکیں جھکا گئی۔

"پتہ نہیں خوشی کسے کہتے ہیں۔"

"تیمور دل کا برا نہیں ہے وہ تمہیں بہت محبت دے گا۔" ایمان نے اسے مطمئن کرنا چاہا تو وہ ٹال گئی۔

"چلو اندر چلتے ہیں بے جی اٹھ گئیں تو خوب ڈانٹیں گی۔" میرال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا۔

☆ ☆ ☆

سید مرتضیٰ ہاشمی کو باقاعدگی سے میڈیسن استعمال کروائی جا رہی تھیں اس کے باوجود ان کی بیماری جوں کی توں تھی ایمان کا زیادہ وقت ان کے کمرے میں گزرنے لگا تھا بابا کی بے بسی اس کو خون کے آنسو رلایا کرتی تھی۔ رانی بی پہ شوہر کی بیماری کے غم کے ساتھ

ساتھ ذمہ داریوں کے بوجھ بھی آن پڑے تھے وقت تو کتنا ہی کڑا کیوں نہ ہو کاٹنا ہی پڑتا ہے اور یہ وقت وہ حوصلے اور صبر سے ہمت سے کٹ جانے کے لیے دعائیں کیا کرتی تھیں۔

میرال کی نسبت تیمور سے طے کرنے کا فیصلہ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔۔۔ حالات کے پیش نظر سب کچھ سادگی سے ہو رہا تھا۔ سادہ سے کپڑے سینے والی میرال نکاح کے موقع پر لائیٹ پنک اور گولڈن مغلیہ لباس میں نظر لگ جانے کی حد تک دلکش لگ رہی تھی ایمان نے اس کا میک اپ کرنا چاہا تو اس نے روک دیا۔ ہلکی سی لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل کی لکیر بس یہی تھا اس کا روپ سنگھار۔ رانی بی نے اپنے خاندانی زیورات بڑے چاؤ سے میرال کو پہنائے۔۔۔ وہ خاموش تھی بالکل۔

"بھابو دیکھیں تو میری بیٹی کتنی پیاری لگ رہی ہے۔" نگہت بیگم نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"میری دھی ہے ہی پیاری اس میں بھلا کیا شک ہے آج اس کی ماں زندہ ہوتی تو اپنے ہاتھوں سے شگن پورے کرتی۔" ایک دم ماحول میں نمی سی اتر آئی رانی بی اس کے فرض سے سبکدوش ہونے پر خوش بھی تھیں اور میرال سے جدائی پر افسردہ بھی۔

"بھابو آپ بے فکر رہیں میں میرال کو کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گی۔" اسی اثناء میں سید مصطفیٰ داخل ہوئے۔

"سلام بھابو۔"

"وعلیکم سلام۔"

"بھابو نکاح میں کتنی دیر ہے کافی ٹائم ہو گیا ہے ہمیں واپس بھی پہنچنا ہے۔" انہوں نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا۔

"ویرا تم مولوی صاحب کو لے آؤ یہاں سب تیاری ہے۔" رانی بی کے کہنے پر ایمان میرال کا دوپٹہ درست کرنے لگی چند ہی لمحوں میں مولوی صاحب اور دیگر لوگ بھی کمرے میں تشریف لے آئے۔

وہ اپنی زندگی کے لمحے اس شخص کے نام کر رہی تھی جو اس کی ناپسندیدگی کی فہرست میں اول نمبر پر تھا۔

نکاح کے بعد اس کے سجے سنورے وجود کو تیمور کے ساتھ بیٹھا دیا گیا تیمور کا دوست مامون مووی میکر کو ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ خود بھی تصویریں لے رہا تھا۔۔۔ مہمانوں کی تواضع حویلی کے روایتی انداز میں کی گئی تھی۔

شام ڈھلنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا کہ رخصتی کا اصرار بڑھنے لگا وہ جو اتنے دنوں سے اپنی کیفیت پہ ضبط کیے ہوئے تھی حویلی سے رخصت ہوتے ہوئے رانی بی اور ایمان سے لپٹ کر خوب روئی تھی۔۔۔ بابا صاحب جو اسے باپ کی طرح عزیز تھے ان سے پیار لینے کی خواہش میرال کو ان کے کمرے تک لے آئی تھی تکیے کے سہارے لیٹے ہوئے سپاٹ چہرہ اور ویران آنکھوں میں اجنبیت لیے سید مرتضیٰ ایک زندہ لاش کی طرح بے حس و حرکت پڑے تھے دیکھنے والوں کے لیے عبرت کی زندہ مثال!

میرال کے آنسو ان کے ہاتھوں پہ گرتے رہے وہ خالی نظروں سے کبھی میرال کو دیکھتے اور کبھی ان کے عقب میں کھڑے دیگر لوگوں کو بولنے کی کوشش کرتے تو منہ سے رال ٹپکنے لگتی۔

"چلو بیٹا دیر ہو رہی ہے۔" نگہت بیگم نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

"بھابو ہم گاؤں آتے رہیں گے کوئی بھی مسئلہ ہو میں حاضر ہوں حاکم دین کو میں نے سمجھا دیا ہے وہ بھائی صاحب کا بھرپور خیال رکھے گا۔"

مصطفیٰ ہاشمی ملول سی رانی بی کو مطمئن کر رہے تھے۔

"خدا تجھے حیاتی دے ویرا تیرا دیا ہوا حوصلہ مجھے گرنے نہیں دیتا۔"

"بھابو آپ میرال کی طرف سے بھی اطمینان رکھیں ہمارے گھر میں اسے کسی چیز کی کمی نہیں ہو گی۔" نگہت بیگم کی تسلی پہ وہ ہولے سے سر ہلا گئیں ایمان دروازے کی اوٹ میں سب سے پیچھے کھڑی خود کو میرال کی مجرم سمجھ رہی تھی میرال کی آنکھوں میں

اترتے شکوے ایمان سے مخفی نہ تھے۔

"اچھا بھابو اب ہمیں اجازت دیں۔"

"راب راکھا ویر اسب خیر سے جاؤ۔"

رانی بی نے ایک بار پھر میرال کو خود سے لپٹایا۔

خاموش راستوں کو اپنی آہیں سونپ کر وہ ایک نئی زندگی سے نظر ملانے کی جرات تلاش رہی تھی۔

لاہور پہنچتے پہنچتے رات نے اپنا تاریک لبادہ اوڑھ لیا تھا گھر میں مہمان نہ ہونے کے برابر تھے تھوڑی دیر کے بعد اسے نگہت بیگم لاؤنج سے بیڈ روم میں لے آئیں۔

ڈبل بیڈ کے چاروں اطراف لٹکی موتیے اور گلاب کی آدھ کھلی کلیاں اسے رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"بیٹا یہ گھر اور اس کی ہر چیز تمہاری ہے..... میری بہو کے روپ میں تمہارا یہاں آنا مقدر میں لکھ دیا گیا تھا اور شاید تیمور کے جذبے بھی بہت صادق تھے۔ پھر ایمان کیسے آتی یہاں خدا نے مجھے بیٹی کی نعمت سے نہیں نوازا لیکن مجھے لگتا ہے کہ اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو وہ یقیناً "تم جیسی ہوتی۔"

نگہت بیگم نے محبت سے اس کا جھومر درست کرتے ہوئے کہا تو اس کا دل ڈولنے لگا۔

ان کے جانے کے بعد اس نے خالی نظروں سے پورے کمرے پہ نگاہ ڈالی۔

"کیا ایک ہی جگہ رہ کر میری ناپسندیدگی چھپی رہ سکے گی؟" اس نے دل میں سوچا تھا۔

معاً کمرے کی جامد چپ کو دروازے پہ ہونے والی ہلکی سی آہٹ نے توڑ دیا۔

وہی گریز، سمٹا سمٹایا ہوا حسن اس کی ہر ادا اور ہر روپ کو اب تیمور سمیٹنے کا حق دار بن چکا تھا۔

"تمہیں تو بہت نفرت تھی مجھ سے پھر اس رشتے کو منافقت کی بھینٹ چڑھانے کی وجہ جان سکتا ہوں میں؟"

تیمور کے استفسار کرتے انداز پہ اس نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔

"ساری عمر حویلی والوں کے ٹکڑوں پہ پلنے والی ایک لاوارث لڑکی کے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں تھا تیمور صاحب" اس کی آواز میں پنہاں دکھوں کے رنگ کتنے واضح تھے وہ اپنی جگہ پہ سن ہو گیا۔

میرال بیڈ سے اٹھی تو اس کی کلائیوں میں سجے کنگن بج اٹھے۔ تیمور نے ایک پل کے لیے اسے وارڈ روب کی طرف جاتے دیکھا۔

تمسخر اڑاتی ہوئی پھولوں کی مہک نے اسے رات سونے نہیں دیا تھا وہ جسے اپنانے کی دل نے خواہش کی تھی اسے اپنا کر بھی اس کی نہیں تھی۔

صبح اس نے کروٹ بدلی تو واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی لائیٹ کاسنی کلر کا سوٹ پہنے وہ واش روم سے شاور لے کر نکلی تو رات کے برعکس تیمور کو وہ فریش لگ رہی تھی۔

"مجھے اپنی حقارتوں کا بوجھ سونپ کر خود کتنی پرسکون لگ رہی ہے۔" لب بھینچ کر اس نے سوچا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن نظریں تھیں کہ بار بار ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی بال سلجھاتی میرال پر ٹک جاتیں اس نے جھنجلا کر سائیڈ سے تکیہ اٹھایا اور منہ پہ رکھ لیا۔

☼ ☼ ☼

ولیمے میں بہت سے اعلیٰ حکام کی شرکت نے اس تقریب کو بہت اہم بنا دیا تھا ان کے ولیمے کی تصویریں بمع مبارک باد کے مختلف اخبارات میں چھپی ہوئی تھیں تیمور سے اس کی دوبارہ کسی بھی ٹاپک پہ بات نہیں ہوئی تھی پہلے ہی دن سے تناؤ کی چادر دونوں کے بیچ تن گئی تھی۔ شام کو وہ نگہت بیگم کے ساتھ لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے جب انہوں نے پوچھا تھا۔

"تیمور تم نے بتایا نہیں کہ ہنی مون کے لیے تم دونوں نے یورپ کے کس ملک کا انتخاب کیا ہے؟"

میرال نے ان کی بات پہ کنفیوز ہو کر تیمور کی طرف دیکھا۔

"ممی اب یہ تو آپ کی بہو بتا سکتی ہے کہ یہ ہنی مون

کے لیے کہاں جانا چاہے گی۔" تیمور نے لفظ ہنی مون پہ زور دے کر اسے زچ کیا۔

"ہاں تو میرال بیٹا کیا سوچا ہے تم نے؟" انہوں نے چائے کی خالی پیالی ٹیبل پہ رکھتے ہوئے میرال کو مخاطب کیا۔

"چاچی میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"میرال بیٹا سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح تیمور میرا بیٹا ہے اسی طرح تم بھی میری بیٹی جیسی ہو تم مجھے چاچی کہنے کی بجائے اگر تیمور کی طرح ممی کہو تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔" نگہت بیگم نے اپنائیت سے اسے چاچی کہنے پہ ٹوک دیا۔

"جی ممی..." اس نے تائید کی۔

"دیٹس اے گڈ گرل..... تیمور تم میرال کو کہیں گھماؤ پھراؤ ابھی تمہاری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں ایک دوسرے کو ٹائم دو تاکہ تم دونوں میں ایک اچھی انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ ہو سکے۔"

"ممی آپ مجھے نہیں اپنی بہو کو سمجھائیں جس کے پاس سب کے لیے وقت ہے مگر..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میرال بیٹا شادی کے یہی دن تو یادگار ہوتے ہیں اور یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں نہ کانوں میں بندے ہیں نہ صبح سے تم نے کپڑے چینج کیے ہیں خالی گلا اور سونی کلائیاں بیٹا اچھا شگن تو نہیں دیکھنے والے کیا کہیں گے اٹھو شاباش جلدی سے فریش ہو کر تیمور کی پسند سے کوئی اچھا سا ڈریس پہنو حیرت ہے مجھے کہ اب یہ چھوٹی چھوٹی باتیں مجھے تم دونوں کو سمجھانا پڑیں گی؟"

وہ سر جھکائے خاموشی سے ان کی محبت بھری خفگی سنتی رہی ساتھ بیٹھے تیمور ہاشمی پہ اسے سخت تاؤ آ رہا تھا۔ اس وقت تو چپ رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا لیکن بیڈ روم میں آتے ہی وہ پھٹ پڑی۔

"تم مجھے ممی کے سامنے ڈی گریڈ کر کے کیا جتانا چاہتے ہو گھومنے کا اتنا ہی شوق ہے تو لے جاؤ اپنے ساتھ کسی گرل فرینڈ کو..... مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔"

"میرال تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے کیا ہوں میں تمہاری نظر میں کیا سمجھتی ہو تم مجھے۔" تیمور نے غصے سے اس کو شانوں سے تھام کر اپنے مقابل لا کھڑا کیا۔

"محبت تو دھند کی طرح ہوتی ہے اونچے سے اونچے پہاڑ بھی اس دھند میں چھپ جاتے ہیں پھر تمہاری نفرت میری محبت کی دھند میں کیوں نہیں چھپ جاتی؟"

میرال نے آہستگی سے خود کو تیمور کی گرفت سے آزاد کر لیا اس نے تیمور کو جواب نہیں دیا تھا۔

"ویسے تو تم پہ ہر کلر ہی سوٹ کرتا ہے لیکن پنک کلر میں تم پنک روز کی طرح لگتی ہو۔"

میرال نے رخ موڑ کر اسے دیکھا..... محبت کی روشنی اس کی آنکھوں میں سفر کر رہی تھی اس نے سر جھٹکا اور اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

"میں کہیں باہر جا رہا ہوں رات کو واپسی میری مرضی سے ہوگی۔" عقب سے اسے تیمور کی آواز سنائی دی اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے وہ ابھی تک نہیں آیا تھا نگہت بیگم میرال سے باز پرس کر رہی تھیں۔

"میرال بیٹا تیمور آخر گیا کہاں ہے کچھ بتا کر تو گیا ہوگا۔"

"نن نہیں ممی مجھے تو انہوں نے کچھ نہیں بتایا کہہ رہے تھے کہ میری واپسی تک تیار رہنا کہیں باہر چلیں گے۔" اس نے مصلحت کے تحت جھوٹ سے کام لیا۔

"حد کر دی ہے اس لڑکے نے لاپرواہی کی میں اور تمہارے پاپا مسز ہمدانی کے ہاں ڈنر پہ انوائیٹڈ تھے اب تمہیں تنہا چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتی۔"

"ممی آپ میری وجہ سے اپنا پروگرام کینسل مت کریں تیمور تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔"

"تم نے ٹریس کیا تھا اسے؟"

"ممی ان کا موبائل آف ہے۔" اس نے ایک بار

CS CamScanner

پھر جھوٹ بولا۔

"اف خدایا کتنی بار کہا ہے کہ موبائل آف مت کیا کرو مگر یہ لڑکا دوسروں کو اذیت دے کر خوشی محسوس کرتا ہے۔

ٹھیک ہے بیٹا تیمور آئے تو اس کے خوب کان کھینچنا۔ تمہارے پاپا گاڑی میں میرا انتظار کر رہے ہیں۔" انہوں نے گاڑی کا ہارن سن کر کوریڈور کی طرف قدم بڑھا دیے۔ ان کے جانے کے بعد وہ بے دلی سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔

کاؤچ پہ دھرے چند میگزین کی ورق گردانی کرنے کے بعد اس نے اکتا کر وہ میگزین ریک میں رکھ دیے اس کی پلٹتی نگاہیں ایک لمحے کے لیے ریک کے نچلے خانے پہ جم گئیں ریک کے آخری خانے میں شاعری کی کتابیں بڑی نفاست سے سجی ہوئی تھیں۔

"آپ جیسے مستند شریف زادے سڑکوں پہ وسلنگ کر کے راہ چلتی ہوئی لڑکیوں کو متاثر تو کر سکتے ہیں لیکن ان کتابوں میں چھپے جذبوں کو سمجھنا آپ کے بس کی بات نہیں۔"

اس کے ذہن میں اس کا اپنا ہی کہا جملہ گونجا۔

اس نے باری باری سب کتابوں کو دیکھا کئی جگہ اس کی نشانیاں لگی ہوئی تھیں۔

اس نے دھندلی نگاہوں سے اپنی حنائی ہتھیلیوں کو دیکھا۔

"محبت تو دھند کی طرح ہوتی ہے اونچے سے اونچے پہاڑ بھی اس دھند میں چھپ جاتے ہیں پھر تمہاری نفرت میری محبت کی دھند میں چھپ کیوں نہیں جاتی۔"

اس کی سرگوشی ایک بار پھر سنائی دی.... میرال نے سب کتابیں ریک میں سجا کر ٹیرس کا دروازہ کھول لیا اور دیر تک کھلی فضا کو اپنے گھٹن زدہ سینے میں اتارتی رہی محبت تو برستے بادل کی طرح بھی ہوتی ہے اس کی بوندیں جس سوکھے درخت پہ گریں وہ بھی ہرے ہو جاتے ہیں وہ تو پھر نازک جذبوں سے گندھی ہوئی ایک معصوم لڑکی تھی تیمور کی جیپ جب پورچ میں رکی تو اس نے وقت دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی.... آدھی رات بیت چکی تھی اس نے ایک طویل سانس لیا اور ٹیرس کا دروازہ بند کر کے اپنی پشت دروازے سے لگا دی۔

تیمور کے ڈولتے قدم بتا رہے تھے اس نے بہت زیادہ پی رکھی تھی اسے نشے میں دھت دیکھ کر اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

تیمور بیڈ روم میں آیا اور اسی حلیے میں بیڈ پہ گر گیا۔

میرال نے اپنی کنپٹیوں پہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے دباؤ ڈال کر سر کو سہلایا۔

اپنی بے جان ٹانگوں کو گھسیٹ کر اس کے قریب آئی جو بیڈ پہ اوندھے منہ پڑا تھا اور اس کی آدھی ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھیں۔

سب سے پہلے میرال نے اس کے شوز اتارے اور اس کے ٹخنوں پہ دونوں ہاتھ مضبوطی سے جما کر اس کا بیلنس درست کیا پھر سائیڈ سے تکیہ اٹھایا اور صوفے پہ آ گئی۔

سوچیں تھیں کہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں ....پتہ نہیں صبح کس وقت اس کی آنکھ لگی تھی۔

تیمور نے سر اٹھا کر صوفے پہ سوئی میرال کو دیکھا تو رات کا دھندلا سا عکس ذہن پہ چھانے لگا.... اس کے ہاتھوں کا نرم سا لمس تیمور کو اب بھی محسوس ہو رہا تھا وہ اپنے دونوں ہاتھ سر کے نیچے جما کر چھت کو گھورنے لگا۔

زندگی گزرنے لگے تو صدیاں ایک لمحے میں سمٹ جاتی ہیں نہ گزرے تو ایک لمحہ نہیں گزر سکتا نہ سوچو تو کٹتی ہی چلی جاتی ہے اور اگر سوچنے لگو تو وقت ٹھہر جاتا ہے گردشیں رک جاتی ہیں وہ سید ہاؤس میں آ کر اور بھی الجھ گئی تھی کوئی نہیں تھا جس کے شانے پہ سر رکھ کر وہ رو سکتی اس کا تو جیسے اپنی ہی زندگی پہ کوئی حق نہیں تھا وہ بچپن ہی سے دوسروں کے تابع زندگی گزار رہی تھی اس نے اپنی زندگی کا ایک بھی لمحہ اپنی مرضی سے نہیں جیا تھا۔ ایسے میں اس کی آنکھوں میں سجنے والے خواب ہی تو اس کے اپنے تھے جن کی تعبیر تیمور ہاشمی نے چھین لی تھی۔

بچپن میں اسے باپ کے بدکردار ہونے کے طعنے نے رلایا تھا اور یہ طعنہ اسے آج تک رلا رہا تھا۔ اس کی پاکیزہ سوچوں میں کسی بدکردار شریک سفر کا شائبہ تک نہیں تھا۔ تیمور کو اسی روپ میں دیکھ کر وہ ٹوٹ گئی تھی ۔ وہ اپنی زندگی ــــــ اس دکھ کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی جس کی اذیت نے میرال کو اس کی عمر سے پہلے ہی بڑا کر دیا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟"

تیمور نے نرمی سے اس کے چہرے پہ چند بکھری ہوئی زلفوں کو ہٹایا۔ تو وہ تیمور کا ہاتھ جھٹک کر اٹھ بیٹھی۔

آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ وہ رات بھر روتی رہی تھی۔

"کیوں پیتے ہو تم اتنی چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔"

"عادی ہوں میں نہیں چھوڑ سکتا۔" تیمور نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے پھر مجھے چھوڑ دو۔" میرال کے دو ٹوک انداز پہ بپھر گیا۔

"کیا کہا تم نے؟"

"یہی کہ مجھے چھوڑ دو۔"

"میں آئندہ ایسی گھٹیا بکواس کبھی نہ سنوں۔" تیمور نے سختی سے تنبیہہ کی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات بہت تیز آندھی آئی تھی درختوں کے زرد پتے اور نازک شاخیں حویلی کے باغ میں ٹوٹ کر گری ہوئی تھیں .... وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر آئی ... سوکھے پتے اس کے پیروں تلے چرمرا رہے تھے وہ دیر تک چلتی رہی۔

"عورت کچھ نہیں مانگتی زایان آفریدی! وہ صرف محبت کے سہارے زندہ رہنا چاہتی ہے۔ محبت میں دونوں طرف سے کنوتی ہوتی رہے تو بات بنتی ہے ورنہ وہ جمود کی کیفیت سے اپنی ہی ذات میں بکھرنے لگتی ہے ..... مجھے لگتا ہے میری ذات کا ذرہ ذرہ بھی اس جمود میں کہیں گم ہو رہا ہے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں چلتے ہوئے بولتی جا رہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے رفتہ رفتہ کوئی جسم سے سانس کی ڈوری کھینچ رہا ہو اسے چڑیوں کے بہت سے گھونسلے زمین بوس نظر آئے رات آنے والی گرد آلود آندھی نے اچھی خاصی تباہی مچائی تھی۔

ایمان نے برگد کے گھنے درخت کے تنے سے ٹیک لگا لی، آنکھوں میں ہنوز ویرانی تھی اس کے آس پاس خاموش فضا میں پرندوں کا شور تھا اس نے نیلے آسمان پہ تیرتے بادلوں کی ٹکڑیوں کو بے دلی سے دیکھا۔

محبت تو صرف اس نے نبھائی تھی۔ زایان تو بس جھوٹے الفاظ اس کے دل میں اتار کر کہیں اوجھل ہو گیا تھا اس کے انمول جذبوں کو آزمانے کے لیے اور اس آزمائش کو وہ سہہ رہی تھی.... برداشت کرنے کے لیے خود کو مارنا پڑتا ہے لڑنا پڑتا ہے خود سے وہ ہمت ڈھونڈ رہی تھی اس آزمائش کو سہنے کی.... خود سے لڑ کر سب کچھ برداشت کرنے کی۔

☼ ☼ ☼

تیمور بیڈ پہ نیم دراز ہاتھ میں کتاب لیے قدرے بلند آواز میں غزل کے اشعار پڑھ رہا تھا۔ سامنے میرال کپڑوں کو ہینگ کرنے میں مصروف تھی اور اس مصروفیت میں اس کی کلائی میں پڑے بھاری جڑاؤ کنگن بار بار بج رہے تھے میرال نے ایک دم اپنی مصروفیت ترک کر دی۔

تیمور سائڈ ٹیبل کے دراز سے سگریٹ نکال رہا تھا۔ اس کے سگریٹ سلگاتے ہی پورے بیڈ روم میں تمباکو کی بدبو سی پھیل گئی۔

میرال نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کے ہاتھ سے لائٹر اور ہونٹوں میں دبا سگریٹ جھپٹ لیا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟"

وہ غصے میں دھاڑا۔

"نہیں پینے دوں گی میں تمہیں یہ زہر۔" وہ اس

CamScanner

سے بلند آواز میں چلائی۔
"تم کون ہوتی ہو مجھے روکنے والی؟"
"مسٹر تیمور ہاشمی میں تمہاری گرل فرینڈ نہیں تمہاری بیوی ہوں جائز اور شرعی..... بھاگ کر نہیں لائے تھے تم مجھے 'نکاح کیا ہے تم نے مجھ سے تمہاری بیوی کی حیثیت سے میں تمہیں ہر ناجائز کام سے روکنے کا حق رکھتی ہوں اور مجھ سے میرا یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا سمجھے تم۔"
وہ تیمور کی شرٹ کا کالر دونوں مٹھیوں میں دبوچ کر بپھرے انداز میں بولی تھی۔
"اگر یہ بات تم مجھے پہلے سمجھا چکی ہوتیں تو یقیناً" مجھے ایکٹنگ کا سہارا نہ لینا پڑتا۔" تیمور کے ہونٹ نا معلوم مسکراہٹ کو چھپانے میں ناکام ہوئے جا رہے تھے۔
"تمہارا یہی روپ ہی تو مجھے دیکھنا تھا۔" میرال نے اس کے ہونٹوں کی حدت سے دہکتے اپنے مرمریں ہاتھ کھینچنا چاہے۔
"تم بہت رہ لیے اپنے اب میرے صرف میرے ہو کے رہو۔"
تیمور کے چہرے پر محبت کی ڈھیروں روشنیاں جھلملا رہی تھیں اس نے پہلی بار تیمور کو اتنے قریب سے دیکھا تھا۔
"تم بہت بڑے چیٹر ہو۔" اس کے لہجے میں خفگی اور آنکھوں میں آنسوؤں کے جگنو تھے۔
"تم مجھے سنوارا کیوں نہیں دیتیں؟"
تیمور نے دھیرے سے اس کی کلائیوں میں سجے کنگن بجائے۔
"میرے سنوارنے سے کیا ہوتا ہے تمہیں بگاڑنے کے لیے تمہاری گرل فرینڈز ہی بہت ہیں۔"
"اب یہاں ان کا ذکر کہاں سے آگیا؟ قسم سے تمہیں دیکھنے کے بعد کسی اور کے بارے میں کبھی نہیں سوچا" اور وہ جو میں گزشتہ ایک ہفتے سے رات کو کسی لڑکی کی فون کالز ریسیو کر رہی ہوں تیمور ہیں؟ پلیز ان سے بات کروادیں۔" میرال کے انداز پہ اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔
"ارے وہ تو سب مامون کی شرارت تھی۔"
"اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے بے وقوف بنا رہے تھے؟"
"بھئی بنانے کی کیا ضرورت ہے تم لڑکیاں ہوتی ہی بے وقوف ہو۔"
"خاصا واسطہ لگتا ہے جناب کا۔"
"کبھی تھا لیکن اب نہیں ہے' جانتی ہو میرال! جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو مجھے یوں گمان ہوا تھا جیسے کوئی مغل آرٹ کا حسین چہرہ جاگ اٹھا ہو..... تمہاری جھجک تمہارا گریز..... تمہارا سمٹا سمٹایا سا انداز مجھے بار بار تمہاری طرف متوجہ کر رہا تھا۔
اس رات جب حویلی میں کوئی نہیں تھا میں نے تمہیں آزمایا اور مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ تمہارا کردار کسی آہنی چٹان سے بھی کہیں مضبوط ہے مرد چاہے اپنے جذبوں کی تسکین کے آگے کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو وہ تم جیسی مضبوط کردار کی عورت کے سہارے کا متلاشی رہتا ہے میرے جذبوں نے شدت سے تمہیں مانگا تھا پھر تم کیسے نہ ملتیں مجھے۔"
تیمور نے اسے اپنے بازو کے حصار میں لیتے ہوئے جذب سے کہا تھا۔
میرال نے اس کی محبت کا حصار توڑنے کی کوشش نہیں کی تھی آج محبت کی اس چھاؤں میں جذبوں کی تپش بھی تھی اور لفظوں کی ٹھنڈک بھی۔
جس شخص نے اس کی محبت میں خود کو بدلنے کا ارادہ کر لیا تھا پھر وہ اسے اپنی ہمراہی کیوں نہ سونپتی۔
میرال کو یقین کی روشنی میں آنے والے لمحوں کا ادراک ہو رہا تھا وقت کی انگلیاں اس کے لیے دائمی خوشیوں کی نوید لکھ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

کسی نے بہت آہستگی سے دروازہ کھولا تھا مگر اس نے گھٹنوں میں دیا چہرہ اٹھا کر آنے والے کو دیکھنے کی

زحمت نہیں کی تھی قدموں کی آواز اس کے قریب آ رہی تھی اس نے اب بھی چونک کر سر نہیں اٹھایا تھا پھر یوں ہوا کہ قدموں کی آواز اس کے قریب آ کر تھم گئی اور اس کے مقابل بیٹھنے والے شخص نے نرمی کے بے پناہ احساس کے ساتھ اسے چھوا۔
"ایمان تم نے مجھے پکارا تھا نا دیکھو میں اپنی انا کی سب زنجیریں توڑ آیا ہوں....." وہ آواز کوئی واہمہ نہیں تھی ذایان اپنی نیلگوں آنکھوں کے سمندر میں جذبوں کا اک جہان آباد کیے اس کی نظروں کا منتظر تھا۔
"کیوں آئے ہو اب یہاں؟
جب سینے جل کر خاک ہو گئے جب آنکھوں میں پلتے انتظار کے سب دیے بجھ گئے جب میری خوشیوں کے سارے محل راکھ ہو گئے..... کیوں؟ کیوں آئے ہو اب چلے جاؤ یہاں سے" وہ ہذیانی انداز میں اسے پرے دھکیل کر اٹھ گئی۔
"میں تمہیں لینے آیا ہوں..... ایمان ہم اپنی محبت کی شروعات خالص جذبوں سے کریں گے..... اب کوئی انتقام کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا"
"تم نے آنے میں بہت دیر کر دی جانتے ہو انتظار طویل ہو جائے تو محبتیں بے یقین ہو جاتی ہیں۔"
"ان محبتوں کو یقین ہی تو دینا چاہتا ہوں۔"
"ذایان تم کن محبتوں کی بات کر رہے ہو؟ تمہیں تو کبھی مجھ سے محبت تھی ہی نہیں۔" وہ بے رحمی سے اپنے اشکوں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا رکی۔
"جھوٹ بولا تھا میں نے اپنے آپ سے بھی اور تم سے بھی' تم نہیں جانتیں ایمان میں نے بن ماں باپ کے کیسی زندگی گزاری ہے میری آنکھوں سے ان کے خون میں لت پت وجود کبھی اوجھل نہیں ہوئے۔
کیا قصور تھا ان کا؟ مما نے اپنے حصے کی چند خوشیوں کی خواہش ہی تو کی تھی لیکن اس جاگیردارانہ نظام نے خون کی ہولی کھیل کر سب کچھ تباہ کر دیا حتیٰ کہ رشتوں کا تقدس' مان اور پیار بھی فراموش کر دیا میری کیفیت بہت فطری تھی ایمان۔ خود کو میری جگہ پہ رکھ کر سوچو کیا میں غلط تھا؟..... یہ سچ ہے اپنی میں نے واقعی تمہیں چاہا ہے۔ اور اس احساس کی تقویت مجھے تم سے جدا ہونے پہ ملی ہے زندگی کے سب رنگ محبت کے بغیر بہت پھیکے ہیں۔ میں نے اس عرصے میں خود کو بارہا آزمایا ہے اور ہر گزرنے والے لمحے نے مجھے یہی باور کروایا کہ مجھے اپنی محبت کو گزرے وقت کی تلخیوں سے پاک کرنا ہے۔ گو کہ مما اور پاپا کے قتل کو بھولنا میرے اختیار میں نہیں مگر میں نے تمہارے والد کی حالت دیکھ کر انہیں معاف کر دیا ہے جو انسان اپنے اعمال کا نتیجہ اپنے سامنے دیکھے اس سے بڑا عذاب اور کیا ہوتا ہے میرا انتقام کیا معنی رکھتا ہے فیصلہ کرنے والا تو وہ اوپر والا ہے جو سب پر قادر ہے جانتا ہے دلوں کے حال تک سے واقف ہے ہر سوچ کو جانتا ہے۔
میں مرتضیٰ ہاشمی کے جھکے ہوئے سر کو مزید جھکانے کا اہل بن کر خود کو گنہگار نہیں بنا سکتا۔" اس کی باتوں کا یقین اس کے لہجے سے عیاں تھا۔
"ذایان معلوم ہے میں نے کتنی راتیں ان آنکھوں میں کاٹ کر گزاری ہیں کتنے دن تمہارے لوٹ آنے کے انتظار میں بتائے ہیں اندازہ لگا سکتے ہو میری حالت کا۔"
"میں نے تمہیں بہت دکھ دیے ہیں اور ان دکھوں کا مداوا مجھے تمہارے پاس کھینچ لایا ہے..... ایمان تمہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں وشہ آنی سے کتنی ڈانٹ کھا چکا ہوں کان سے پکڑ کر وہ مجھے تمہارے پاس لائی ہیں۔"
"وشہ آنی بھی تمہارے ساتھ آئی ہیں۔"
"تو اور کیا اب وہ ہمارے ساتھ لاہور ہی میں رہیں گی افراسیاب لالہ تو وہیں کے ہو کے رہ گئے ہیں۔ آنی اپنے وطن کی مٹی سے زیادہ دور نہیں رہ سکتیں۔ تیمور ہمیں ایئرپورٹ سے سیدھا سید ہاؤس لے گیا تھا ماموں اور ممانی نگہت نے ہمیں زبردستی دو دن کا مہمان بنائے رکھا اور اب سیدھا یہاں آیا ہوں تمہیں اپنے

ساتھ واپس اس چھوٹے سے گھر میں لے جانے کے لیے۔"

"تیمور اور چاچا نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" ایمان نے اپنی حیرت کو زبان دی۔

"میں نے ہی ان سے کہا تھا وہ تمہیں ابھی کچھ نہ بتائیں میں تمہیں اچانک سرپرائز دینا چاہتا تھا بائی داوے کیسا لگا تمہیں یہ سرپرائز؟" ذایان نے درمیانی فاصلہ کم کرتے ہوئے متبسم لہجے میں پوچھا۔

"بہت برا۔" ایمان نے اس کو قریبی صوفے پہ دھکیل کر باہر نکلنا چاہا۔

"کہاں جارہی ہو ابھی تو تمہیں دیکھ کر دل بھی نہیں بھرا۔"

"دل بھی بھر جائے گا جب میں وشہ آنی کے سامنے تمہاری شکایتیں کروں گی۔"

"فار گاڈ سیک بیوی یار یہ ظلم مت کرنا میں فی الحال زخمی نہیں ہونا چاہتا اس ہفتے پولو کلب میں ٹورنامنٹ شروع ہو رہا ہے۔" ذایان نے عقب سے دہائی دی مگر ایمان چہرے پہ دائمی مسکراہٹ سجائے چوکھٹ عبور کر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اوائل مارچ کا ایک یادگار دن تھا آسمان کی وسعتوں پہ کہیں تیرتے ہوئے سرمئی بادل اور فضا میں رچی ہوئی بہار کی معطر مہک بہت مسحور کر رہی تھی۔

پولو کلب کا سرسبز گراؤنڈ تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا صحافی حضرات اور الیکٹرانک میڈیا کے لوگ پولو ٹورنامنٹ کے فائنل میچ کی کوریج کے لیے خاصی تعداد میں موجود تھے سید مصطفیٰ اعلیٰ حکام کے ساتھ وی آئی پی انکلوژر میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ گرین انکلوژر میں بیٹھے تیمور، ایمان اور میرال آخری ہاف میں سخت اکسائیٹڈ ہو رہے تھے۔ دونوں ٹیمیں آٹھ گول سے برابر کی پوزیشن میں تھیں۔

آخری لمحوں میں ذایان نے تیس گز سے مضبوط شاٹ لگا کر گول کیا تو گرین انکلوژر میں بیٹھے شائقین اپنی ٹیم کی فتح پر ڈھول پیٹنے لگے۔۔۔ تیمور نے بھنگڑا ڈال کر ذایان کو داد دی جو فتح کی خوشی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیز رفتاری سے گھوڑا گراؤنڈ میں دوڑا رہا تھا۔۔۔

کمنٹری باکس میں ان کی فتح اناؤنس ہو رہی تھی۔ میرال نے اس میچ کے چند شارٹ کیمرے میں محفوظ کر لیے تھے ایمان چہرے پہ خالص اور بھرپور مسکراہٹ لیے۔ بلند ہاتھوں سے تالیاں بجاتی ہوئی الیکٹرانک میڈیا کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ کیمرہ بار بار اس کے خوشی سے دمکتے چہرے کو فوکس کر رہا تھا۔

اختتامی تقریب میں چیف منسٹر سے مین آف دی میچ کی ٹرافی وصول کرتے ہوئے صحافی حضرات ذایان کی دھڑا دھڑ تصویریں لے رہے تھے۔ انہیں مختصر سا انٹرویو دینے کے بعد وہ فیملی ممبران کی طرف چلا آیا۔ سید مصطفیٰ نے اس کی پیشانی چوم لی اس کے شاندار کھیل نے مصطفیٰ ہاشمی کو بہت متاثر کیا تھا۔ تیمور نے مبارک باد دیتے ہوئے ذایان کو اٹھا کر گھما ڈالا تھا۔

"ذایان میں بتا نہیں سکتی کہ آج میں کتنی خوش ہوں۔" ایمان کے اظہار پر وہ ہولے سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "آج تمہاری اس خوشی میں مجھے کتنا حصہ ملے گا؟" اس نے ایمان کے قریب آکر رازداری سے پوچھا تو اس کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی تھی کیمرہ اب تیمور کے ہاتھ میں تھا اس نے دونوں کی زندگی کا ایک یادگار لمحہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لینے میں تاخیر نہیں کی تھی۔ زندگی خوشبوؤں کے سنگ نقش بناتی اپنے گہرے اور دائمی رنگ بکھیرنے کو بے تاب تھی۔

☼

☼

☼